ہندوستان کی کہانی
ڈاکٹر مبارک علی

ہندوستان کی کہانی
ڈاکٹر مبارک علی
NATIONAL BOOK FOUNDATION
نیشنل بُک فاؤنڈیشن
اسلام آباد

ہندوستان کی کہانی
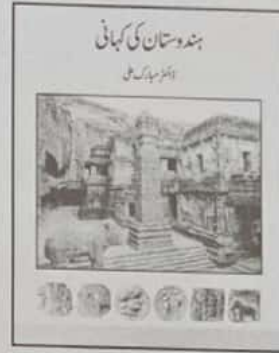
مصنف: .... ڈاکٹر مبارک علی

طبع اوّل: 2009ء

تعداد: 1000

قیمت: .... -/800 روپے

کوڈ نمبر: GNU-394

آئی ایس بی این: 978-969-37-0363-4

طابع: .... فائن بکس پرنٹرز، لاہور

نیشنل بک فاؤنڈیشن کی دیگر مطبوعات کے بارے میں معلومات کیلئے رابطہ کیجئے

ویب سائٹ http://www.nbf.org.pk یا فون 92-51-9261125

یا ای میل books@nbf.org.pk

برطانوی ہندوستان
ڈاکٹر مبارک علی

ابتدائیہ

ہندوستان کی تاریخ کے بارے میں لکھی گئی تین کتابوں کا یہ نیا ایڈیشن ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ ان کے ذریعہ طالب علموں اور عام قارئین میں ہندوستان کی تاریخ کے بارے میں عمومی آگہی پیدا ہو۔

خاص طور سے یہ کوشش کی ہے شروع ہی سے طالب علم تاریخ کے بنیادی ماخذوں سے بھی واقف ہوں۔ اس لیے جگہ جگہ ان ماخذوں کے اقتباسات بھی دیئے گئے ہیں۔ یہ صرف نصاب کی کتابیں ہی نہیں بلکہ تاریخ کے بارے میں سماجی، معاشی اور سیاسی معلومات بھی ان میں دی گئی ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ ان کتابوں کو پسند کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر مبارک علی

لاہور

فہرست

پہلا باب

دوسرا باب

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

چھٹا باب

پہلا باب

ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں: برطانوی ہندوستان

ہندوستان کی تاریخ کو مختلف ادوار میں تقسیم کرتے ہوئے ایک انگریز مورخ جیمس مل (James Mill) نے اسے تین حصّوں میں بیان کیا ہے: ہندو دورِ حکومت، مسلم دورِ حکومت، اور برطانوی دورِ حکومت۔ خاص بات یہ ہے کہ اس میں قدیم ہندوستان کو ہندو، عہدِ وسطیٰ کو مسلم، اور جدید ہندوستان کو برطانوی کہا ہے۔ یعنی پہلے کے دو ادوار تو مذہبی بنیادوں پر ہیں، مگر برطانوی مذہب سے بالاتر رواداری کا حامل ہے۔

اس پر بھی بحث ہو رہی ہے کہ کیا ہندوستان جدید دور میں اس وقت داخل ہوا کہ جب یہاں انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی؟ یا وہ اس سے پہلے جدید دور میں داخل ہو چکا تھا۔ انگریز مورخوں کا خیال تو یہ ہے کہ ان کی آمد سے پہلے ہندوستان پرانی روایات اور توہمات میں جکڑا ہوا تھا، انہوں نے اسے ان فرسودہ عقائد سے نکالا اور جدید ملک بنایا، اس کے برعکس ہندوستانی مورخوں کا کہنا ہے کہ یہاں نئے افکار و خیالات پیدا ہو رہے تھے، تاجر طبقہ ابھر رہا تھا، آمدورفت اور رسل و وسائل کے ذرائع بڑھ رہے تھے، اور ہندوستانی سماج میں تبدیلیاں آنی شروع ہو رہی تھیں، مگر ان کی صنعتی ترقی، اور تاجرانہ سرگرمیوں کو انگریزوں نے آ کر ختم کر دیا۔ اس لئے اب کچھ مورخ جدید دور کی ابتداء اکبر، یا شاہ جہاں کے عہد سے کرتے ہیں اور انگریزی اقتدار کو وہ کولونیل دور کا نام دیتے ہیں۔

ہم برطانوی دور کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: ایک تو 1757ء سے 1857 تک کا زمانہ جو کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا زمانہ تھا، جب کہ 1858 سے 1947 تک ہندوستان پر تاجِ برطانیہ کی حکومت رہی، جو برصغیر کی آزادی اور تقسیم کے بعد ختم ہوئی۔

کولونیل ازم کیا ہے؟

ایک یورپی غیر اقوام کو خطاب کرتے ہوئے

کولونیل ازم کا اردو ترجمہ نو آبادیات کیا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کو رومیوں نے استعمال کرنا شروع کیا تھا، جب وہ دوسرے ملکوں اور علاقوں پر قبضہ کرتے تھے تو اپنے اقتدار اور تسلط کو قائم رکھنے کے لئے وہاں اپنی نو آبادیاں قائم کر لیتے تھے۔ اس قسم کی نو آبادیاں قائم کرنے کا رواج تقریباً ان تمام امپیریل طاقتوں میں رہا تھا، جو غیر علاقوں کو اپنے ماتحت کرتے تھے۔

تاریخ میں جہاں اور چیزیں بدلتی ہیں وہاں الفاظ کے معنی بھی اپنا مفہوم بدل لیتے ہیں۔ اس وجہ سے اب کولونیل ازم یا نو آبادیات کی اصطلاح کو غیر ملکی اقتدار، قبضہ، اور تسلط کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

اس اصطلاح پر انیسویں صدی میں اس وقت بحث ہوئی کہ جب یورپی ملکوں نے دو قسم کے علاقوں پر قبضے کئے، ان میں ایک امریکہ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، اور جزائر غرب الہند تھے کہ جہاں انہوں نے اپنی نو آبادیاں قائم کیں، لیکن دوسری طرف ایشیا افریقہ کے وہ ممالک تھے کہ جہاں انہوں نے اپنی نو آبادیات نہیں بسائیں بلکہ محض فوجی طاقت وقوت پر قبضہ کیا، اس لئے یہ سوال اٹھا کہ کیا ہندوستان کو انگلستان کی کالونی کہنا چاہئے یا نہیں؟ لیکن چونکہ کولونیل ازم کا مفہوم بدل گیا اس لئے برطانوی عہد حکومت کو ہندوستان کی تاریخ میں ''کولونیل دور'' کہا جاتا ہے۔

تاریخ میں جب کوئی ملک کولونیل ازم کا شکار ہوتا ہے، تو اس کے نتیجہ میں نہ صرف سیاسی و معاشی طور پر اس کا استحصال ہوتا ہے، بلکہ اس کی تاریخ، تہذیب اور کلچر کا تسلسل بھی ٹوٹ جاتا ہے، اور مقبوضہ علاقے کے لوگوں کو ذہنی طور پر غلام بنانے کے لئے وہ اپنی روایات اور اداروں کو ان پر مسلط کرتے ہیں معاشی طور پر کولونیل طاقت، مقبوضہ علاقے کے ذرائع کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر کے، اسے پس ماندہ اور مفلس بنا دیتی ہے، یہاں تک کہ وہ ہر لحاظ سے اس کا محتاج ہو جاتا ہے۔

کولونیل ازم کی بنیادیں

انگریزوں نے جب ایشیا و افریقہ کے ملکوں پر قبضہ کیا تو ان کے نظریہ کی بنیاد دو باتوں پر تھی: ایک یہ کہ خدا کی مدد ان کے ساتھ ہے، دوسرے چونکہ وہ تہذیبی لحاظ سے ترقی یافتہ ہیں، اس لئے یہ ان کا فرض ہے کہ وہ ان روایات اور قدروں کو

دنیا بھر میں پھیلائیں۔

جب انہیں ہندوستان میں مسلسل فتوحات ہوئیں تو اس سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ خدا ان کے ساتھ ہے، اور وہ خدا کے مشن کو پورا کر رہے ہیں۔ تہذیبی لحاظ سے ان کا خیال تھا کہ چونکہ جن ملکوں پر انہوں نے قبضہ کیا ہے وہ پس ماندہ، غیر متمدن اور جاہل ہیں، اور اس قابل نہیں ہیں کہ اپنی حالت کو بہتر بنا سکیں، اس لئے تہذیبی مشن کے ذریعہ کوشش کی گئی کہ مقبوضہ ملک کے ذرائع پر قابو پایا جائے، سیاسی اقتدار مضبوط کرنے کے بعد وہاں سائنس اور ٹکنالوجی کو کم سے کم استعمال کیا جائے، ان کی تجارت پر اپنی اجارہ داری مضبوط کی جائے۔ ان کا خیال تھا کہ مہذب ملک کی نگرانی میں ان کو پس ماندگی سے نکالا جاسکتا ہے۔

برطانوی ہندوستان کی تاریخ کیسے لکھی گئی؟

تاریخ نویسی کے ذریعہ کسی بھی ملک اور وہاں کے لوگوں کے ذہن، عادات اور رسم و رواج کو سمجھا جا سکتا ہے اسی طرح سے تاریخ نویسی کے ذریعہ کولونیل طاقتوں کے خیالات، منصوبے، عزائم، سازشوں اور ہتھکنڈوں کے بارے میں پوری طرح سے آگہی ہو سکتی ہے۔

ہندوستان میں انگریزوں نے مرحلہ وار قبضہ کیا، اس حساب سے ہندوستان اور یہاں کے لوگوں کے بارے میں ان کے خیالات میں تبدیلی آتی رہی۔ اس تبدیلی کے بارے میں ہمیں تاریخ کی ان کتابوں سے معلومات ملتی ہیں کہ جو انگریز مورخوں نے لکھیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی دور میں جب کہ اس کا اقتدار ابھی پورے ملک پر نہیں قائم ہوا تھا، اس کے عہدے دار ہندوستان اور اس کے ماضی کے بارے میں رومانوی خیالات رکھتے تھے۔ اس دور میں انہوں نے مغلوں کی بہت سی روایات اور انتظامی امور کو اختیار کئے رکھا تھا، یہاں تک کہ ابتدائی دور کے انگریز ہندوستانی تہذیب میں رچ بس گئے تھے۔

لیکن جیسے جیسے وہ سیاسی طور پر طاقتور ہوتے چلے گئے اور فتوحات کے ذریعہ ہندوستانیوں کو شکست دے کر اپنا اقتدار قائم کرتے چلے گئے، اسی طرح سے ان کا رویہ بھی بدلتا رہا، ان میں نسلی برتری اور قومی فخر کے جذبات آتے چلے گئے اور اہل ہندوستان کو سست، کاہل اور غیر متمدن بناتے چلے گئے۔

اس نقطہ نظر سے انگریز مورخین نے جو کتابیں لکھیں، ان میں برطانوی حکومت کو ہندوستان کے لئے رحمت کا باعث بتایا گیا۔ اس کی دلیل دیتے ہوئے کہا گیا کہ اس سے پہلے ہندوستان خانہ جنگیوں میں الجھا ہوا بدامنی کا شکار تھا۔

انگریزی حکومت نے یہاں امن قائم کر کے لوگوں کو سکون واطمینان دیا۔ کمپنی کی حکومت نے اصلاحات کے ذریعہ یہاں سے ظالمانہ رسومات کو ختم کیا، جن میں ستی خاص طور سے قابل ذکر تھی۔

برطانوی تاریخ نویسی میں اس خیال کو بھی پیش کیا گیا کہ ہندوستان پر ہمیشہ غیر اقوام نے حکومت کی ہے، جن میں آریہ، ایرانی، عرب، ترک اور مغل وغیرہ شامل ہیں۔ اس لئے انگریزوں کی حکومت کو بھی تسلیم کر لینا چاہئے، کیونکہ یہ بھی اس تسلسل کی ایک کڑی بنتے ہیں۔ انہوں نے اس بات کا اظہار بھی کیا کہ غیر ملکی اس لئے حکومت کرتے چلے آئے ہیں کیونکہ ہندوستان کے لوگ حکومت کرنے کے اہل نہیں ہیں۔

انہوں نے تاریخ سے یہ بھی ثابت کیا کہ چونکہ ہندو اور مسلمان اپنا وقت پورا کر کے اپنی توانائی ختم کر چکے ہیں، اس لئے اب ہندوستان پر حکومت کرنا انگریزوں کے حصہ میں آیا ہے، ان کا یہ اقتدار ہمیشہ قائم رہے گا۔ انہوں نے یہ دلیل بھی دی کہ جس طرح ہندوستان کو موریہ اور مغل حکومتوں نے متحد کیا تھا، یہی کام انگریزوں نے کیا ہے، اس لحاظ سے وہ ان کے وارث ہیں۔

انیسویں صدی میں انگریز مورخوں نے ہندوستان کی تاریخ کو افراد یا شخصیتوں کے پس منظر میں لکھا اور ان لوگوں کو بطور ہیرو پیش کیا کہ جنہوں نے ہندوستان میں برطانوی حکومت کو قائم کرنے اور مستحکم کرنے میں حصہ لیا تھا۔

اپنی حکومت کے قیام کا ایک اور جواز دیتے ہوئے، انگریز مورخوں نے مغل زوال کو اس طرح پیش کیا کہ اس نے ہندوستان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اس کی وجہ سے طاقت کا ایک خلاء پیدا ہو گیا تھا، جسے برطانوی حکومت نے پُر کر کے اہل ہندوستان کو خوش حالی ومسرت سے دوچار کیا۔

انگریز مورخین نے خاص طور سے ترک اور مغل مسلمان حکمرانوں کو ظالم و جابر ثابت کر کے، یہ دکھانے کی کوشش کی کہ ان کے دور حکومت میں ہندوستان پر ظلم وستم ہو رہا تھا، اب برطانوی حکومت نے عدل وانصاف قائم کر کے انہیں اس ظلم سے نجات دی۔

انگریز مورخوں نے اس بات کو بھی مقبول بنایا کہ اہل ہندوستان نے ہر چیز دوسری قوموں سے سیکھی ہے، جن میں مصری، سمیری، یونانی اور ایرانی شامل ہیں۔ اس کے مقابلہ میں دوسری اقوام نے ان سے کچھ نہیں سیکھا۔

جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کی ریاستوں پر قبضے کرنا شروع کئے تو اس کی دلیل بھی یہ دی کہ ان ریاستوں میں بدعنوانی، بدامنی، اور جابرانہ طرز حکومت ہے۔ اس دلیل کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے ہندوستانی مورخوں سے بھی تاریخیں لکھوائیں جن میں اودھ، بنگال اور دکن کی تاریخیں قابل ذکر ہیں۔

برطانوی دور کی اس تاریخ نویسی سے وہ ایک طرف تو اپنی حکومت کے قیام اور سیاسی اقتدار کو صحیح و جائز کر رہے تھے تو

برطانوی دور کی اس تاریخ نویسی سے وہ ایک طرف تو اپنی حکومت کے قیام اور سیاسی اقتدار کو صحیح و جائز کر رہے تھے تو دوسری طرف ہندوستان کے حالات کو منفی انداز میں پیش کر کے، اس کی بدحالی، پس ماندگی اور انتشار کو اجاگر کر رہے تھے۔ اس تاریخ نویسی نے ایک طرف تو انگریزوں کا یہ ذہن بنایا کہ انہیں ہندوستان پر حکومت کا حق ہے اور یہ اہل ہندوستان کے لئے باعث رحمت ہیں کہ وہ اس کی وجہ سے اپنی پس ماندگی دور کریں گے، دوسری طرف خود اہل ہندوستان نے جب اس تاریخ کو پڑھا تو ان میں احساس کمتری پیدا ہوا، اپنی تہذیب و کلچر سے دوری ہوئی اور انگریزی اقتدار کو انہوں نے اپنے لئے سودمند سمجھا۔

بیسویں صدی میں جا کر ہندوستانی مورخوں نے ان چیلنجوں کا جواب دیا، اور ہندوستانی تاریخ نویسی کی بنیاد ڈالی، جس نے تحریکِ آزادی کو آگے بڑھایا۔

ہندوستان میں یورپی اقوام کی آمد

تجارت کے ذریعہ دنیا کی تہذیبوں میں ملاپ اور اشتراک ہوا۔ تاجر لوگ نہ صرف تجارتی سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے تھے بلکہ یہ اس کے ساتھ ہی نئے خیالات، روایات اور اداروں کو بھی ایک دوسرے سے روشناس کراتے تھے۔ لیکن تاجروں کا یہ منافع حکومتوں کو اس بات پر اکساتا تھا کہ کمزور ملکوں پر قبضے کر کے ان کے مال و دولت کو ہتھیا لیا جائے، اس لئے تجارت قوموں کو جنگوں کی طرف بھی لے گئی۔

زیر تعمیر مدراس ڈوک

مدراس ڈوک تعمیر سے پہلے

ہندوستان کے تجارتی تعلقات دنیا کے دوسرے ملکوں سے بہت پرانے تھے، اس کے شواہد ہمیں وادیٔ سندھ کی تہذیب سے ملتے ہیں۔ لیکن پندرھویں صدی میں یورپ میں تاجر طبقے کا جو ابھار ہوا اور انہوں نے ہندوستان سے جو تجارتی رشتے قائم کئے، انہوں نے آگے چل کر سیاسی شکل اختیار کر لی، جو کولونیل ازم کی شکل میں ابھری۔

پندرھویں صدی تک مغربی ملکوں کے تاجر، سوداگر، یا وسط ایشیا و افغانستان کے حملہ آور شمال مغرب کے پہاڑی درّوں سے آتے تھے۔ لیکن اب صورت حال بدلی اور یورپی تاجر سمندری راستوں سے ہندوستان آنے لگے۔ 1498 میں پرتگالی واسکوڈے گاما مشرقی افریقہ سے ہوتا ہوا کالی کٹ پہنچا پرتگیزی ہندوستان میں دوسری تجارتی اشیاء کے ساتھ ساتھ گرم مسالوں کی تلاش میں آئے تھے۔ انہوں نے بحرِ روم اور بحرِ ہند کے راستوں پر قبضہ کر کے وہاں سے عربوں اور ترکوں کو بے دخل کر دیا۔ 1501 میں انہوں نے گوا کے جزیرے پر قبضہ کر کے اسے اپنا مرکز بنا لیا۔ جب 1580 میں اسپین نے پرتگال پر قبضہ کیا تو اس کی حیثیت کمزور ہوئی۔ دوسری یورپی قوموں میں آنے والے ڈچ، فرانسیسی اور انگریز تھے مگر ان سب میں آخرکار انگریزوں کو کامیابی ہوئی اور انہوں نے آہستہ آہستہ فرانسیسیوں کو ہندوستان سے بے دخل کر کے اول اپنی تجارتی اجارہ داری قائم کی، اس کے بعد سیاسی اقتدار کو پھیلایا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی

کمپنی کے دور کا سکہ جس پر کمپنی کا نشان بنا ہوا ہے

1600 میں ملکہ الزبیتھ اول نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک شاہی چارٹر دیا۔ اس وقت دستور یہ تھا کہ جس کمپنی کو چارٹر دیا جاتا تھا، اسے ایک یا ایک سے زیادہ ملکوں میں تجارت کی اجارہ داری دی دی جاتی تھی، اب دوسری تجارتی کمپنیاں وہاں تجارت نہیں کر سکتی تھیں۔ اس چارٹر میں ان سے یہ بھی کہا جاتا تھا، وہ جن ملکوں یا علاقوں میں تجارت کرتی ہیں وہاں اپنا انتظام بھی کریں اور ضرورت پڑے تو فوجی طاقت کا بھی استعمال کریں۔

> ابتداء میں کمپنی کی تجارت کا مقصد مسالہ جات کو حاصل کرنا تھا، تاکہ کچے گوشت کو محفوظ کیا جا سکے اور پکانے میں اس کے ذائقہ کو بہتر بنایا جائے۔ مسالہ جات میں لونگ کی خاص طور سے اہمیت تھی، یہ نہ صرف دانت کے درد کو دور کرتی تھی، بلکہ امراء کے لئے حکم تھا کہ جب بادشاہ کے سامنے آئیں تو لونگ چبا کر آئیں تاکہ منہ کی بدبو نہ رہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کو 218 تاجروں نے مل کر بنایا۔ تجارت کے لئے سرمایہ شیئرز (حصص) کے ذریعہ اکٹھا کیا گیا۔ کمپنی کے انتظام کے لئے ''کورٹ آف ڈارکٹرز'' کا قیام عمل میں لایا گیا، کمپنی کے حساب کتاب کو ان کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ کمپنی کے معاملات پر بحث و مباحثہ ہوتا تھا اور فیصلہ ووٹوں کے ذریعہ ہوا کرتا تھا۔

ملکہ الزبتھ اوّل

اس تمام خط و کتابت کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا، جو کمپنی کی تجارتی کوٹھیوں اور لندن کے درمیان ہوتی تھی۔

جس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوئی ہے، وہ زمانہ ''تجارتی سرمایہ داری'' کا تھا۔ اس نظام کے تحت تاجر کاریگروں سے سستا مال خرید کر اسے منافع کے ساتھ مہنگے داموں منڈیوں میں بیچا کرتے تھے۔ اب جب انہوں نے دوسرے ملکوں سے تجارت شروع کی تو اول اس بات کی کوشش کی کہ کسی خاص ملک کی تجارت پر صرف ان کی اجارہ داری ہو اور دوسری تجارتی کمپنیاں اس میں شریک نہ ہوں تاکہ وہ وہاں سے سستا اور ضرورت کا مال خرید کر اسے منافع کے ساتھ فروخت کر سکیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان میں تجارت کی اجارہ داری تو مل گئی مگر اسے دوسرے یورپی تجارتی کمپنیوں سے مقابلہ کرنا پڑا جن میں پرتگالی، ڈچ اور فرانسیسی تھے۔ اس مقابلہ کی وجہ سے، ان میں آپس میں جنگیں اور سیاسی مقابلے ہوئے، جن میں بالآخر ایسٹ انڈیا کمپنی کامیاب رہی۔

ان تجارتی کمپنیوں نے جب سمندری راستوں کو دریافت کیا تو ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ کوئی دوسرا اس راستہ سے نہ گزرے، اس مقصد کے لئے انہوں نے سمندری راستوں میں اہم جزیروں پر قبضہ کر کے وہاں قلعے بنوائے تاکہ وہ دوسری قوموں کے جہازوں کو روک سکیں۔ لہٰذا تجارتی سرمایہ داری کی بنیاد سمندر میں نئے راستوں کی تلاش، تجارتی اجارہ داری، غلاموں کی خرید و فروخت اور سمندر میں رقیب اقوام کے جہازوں کی لوٹ مار تھی۔ اس نظام میں سرمایہ کا تعلق پیداوار سے نہیں ہوتا تھا۔

تجارتی کمپنیوں کا طریق کار یہ تھا کہ وہ ہندوستان میں سہولتوں کی خاطر سرکاری عہدیداروں اور دربار کے امراء کو تحفے تحائف، اور رشوتیں دیا کرتے تھے۔ جب ٹامس رو 1615ء میں جہانگیر کے دربار میں آیا تو اس نے بادشاہ کو ایک بگھی بطور تحفہ پیش کی۔ جہانگیر ان تاجروں سے یورپ کے مصوروں کی تصاویر منگوایا کرتا تھا۔ ابتداء میں مغل دربار میں پرتگیزیوں کا اثر تھا، مگر یہ آہستہ آہستہ ختم ہوگیا اور انگریز تاجروں نے بادشاہ اور امراء کو اپنے زیر اثر کرلیا۔ فرخ سیر کے عہد میں 1714 میں انہیں یہ مراعت دی گئی کہ ان کی تجارتی اشیاء پر کسٹم ڈیوٹی کی معافی ہوگئی۔

> ایسٹ انڈیا کمپنی نے برطانیہ میں شاہی خاندان کو بھی تحفے تحائف دینے کا سلسلہ جاری رکھا تاکہ ان سے فوائد حاصل کریں۔ مثلاً 1664 میں چارلس دوم کو کمپنی نے پہلی مرتبہ ''چائے'' بطور تحفہ دی۔ بادشاہ کو یہ تحفہ پسند آیا اور اس نے کمپنی کو 100 پاؤنڈ چائے کا آڈر دیا۔
>
> 1770 میں میٹنگ کے دوران کمپنی کے ڈارکٹرز کو چائے بنا کر پیش کی گئی۔ اس کے بعد سے ''چائے کے وقفہ'' کا رواج ہوگیا۔

تجارتی کوٹھی

انگریزوں نے اپنی پہلی تجارتی کوٹھی 1612 میں سورت شہر میں کھولی۔ فیکٹری میں کام کرنے والے ملازمین فیکٹرز کہلاتے تھے، یہ 1613 میں انگلستان سے آئے اور آنے کے فوراً بعد تجارتی سامان خریدنے کے لئے بھڑوچ اور احمد آباد چلے گئے۔ ان دونوں شہروں میں انہوں نے کرائے پر گودام لئے اور مقامی کاریگروں اور دلالوں سے رابطہ کیا تاکہ ان کی مدد سے سامان خریدا جاسکے۔

سورت میں ان کی کوٹھی ''انگریزوں کی کوٹھی'' کہلاتی تھی۔ دوسری تجارتی کوٹھی انہوں نے بھڑوچ کے شہر میں قائم کی۔ تجارتی کوٹھی کا پورا انتظام خاص اصولوں کے تحت ہوا کرتا تھا۔ اس کا نگراں ''صدر'' کہلاتا تھا۔ عملے کے دوسرے لوگ فیکٹرز کہلاتے تھے۔ ان میں سے اکثر پرائیویٹ تجارت بھی کیا کرتے تھے کیونکہ ان کی تنخواہیں بہت کم ہوتی تھیں اس لئے کمپنی نے انہیں یہ سہولت دیدی تھی تاکہ اس کے ذریعہ یہ منافع کماسکیں۔

کوٹھی کے احاطے میں صدر اور فیکٹرز رہا کرتے تھے۔ ان کی رہائش کے لئے علیحدہ کمرہ ہوا کرتا تھا۔ کھانا سب مل کر کھایا کرتے تھے۔ عبادت کے لئے بھی یہ سب اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ صدر کو یہ مراعت حاصل تھی کہ وہ گھوڑے کی سواری

کر سکتا تھا، یا گھوڑا گاڑی استعمال کر سکتا تھا، جب کہ کمپنی کے دوسرے ملازمین بیل گاڑیوں میں سفر کرتے تھے۔ صدر جب کوٹھی سے باہر جاتا تو اس کے ساتھ اس کا عملہ بطور جلوس ہوتا تھا۔ اس کے عملہ میں مقامی لوگوں کو بھی بھرتی کرلیا جاتا تھا، کیونکہ ان کی ماہوار تنخواہ صرف ایک روپیہ ہوا کرتی تھی۔

ہندوستانی موسم کے باوجود انگریز اپنا لباس پہنتے تھے، جو کہ یہاں کے لوگوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہوا کرتا تھا، لیکن ان میں سے وہ یورپی لوگ جو ہندوستانی ریاستوں میں آباد تھے وہ ہندوستانی کلچر میں ضم ہوگئے تھے۔

1630ء سے 1642ء کے درمیان کمپنی کے ملازمین اور ان کے روزمرہ کے معمولات کے بارے میں جو معلومات

نجی تجارت

نجی تجارت کا سامان جب لندن میں آتا، تو پہلے اسے گودام میں رکھا جاتا تھا، پھر اس کی تفصیل درج کی جاتی تھی، اس کے بعد وہ نیلام ہوتا تھا۔ کمپنی اس سامان پر 15% حصہ لیا کرتی تھی۔ نیلامی ایک ڈائریکٹر کی نگرانی میں ہوتی تھی۔ تاجر نیلامی میں خریدنے کے بعد اسے تھوک فروشوں کے ہاتھوں فروخت کرتے تھے۔ اس سے کمپنی کے ملازموں کو تنخواہ سے زیادہ پیسے مل جاتے تھے۔
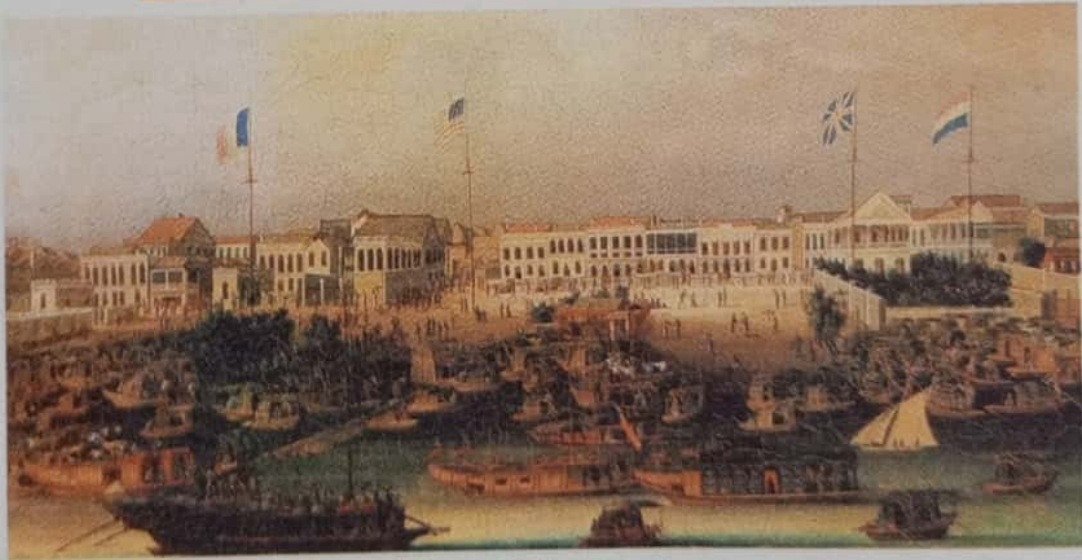
سمندر کے ساحل پر تعمیر کی گئی تجارتی کوٹھی

ملتی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ پابندی سے عبادت کیا کرتے تھے، جو کوٹھی کے اندر ہی دن میں دو بار کی جاتی تھی۔ اتوار کے دن یہ عبادت تین بار ادا کی جاتی تھی۔ اس دن خاص طور سے وعظ بھی دیا جاتا تھا۔ وعظ کے بعد کا وقت سیر و تفریح کے لئے تھا۔

کوٹھی میں ہر ملازم کے لئے کام کرنے اور تفریح کے اوقات مقرر تھے۔ جمعہ کے دن صدر اور اس کے ساتھی مل بیٹھتے تھے۔ سورت کی تجارتی کوٹھی کے بارے میں جو معلومات ہیں ان کے مطابق یہ پتھر کی بنی ہوئی پکی عمارت تھی۔ اس میں کئی رہائشی کمرے تھے۔ کھانے اور عبادت کے ہال علیحدہ تھے۔ دلچسپی کے لئے یہاں مختلف پرندوں اور جانوروں کو بھی رکھ رکھا تھا۔ کام کے اوقات 10 بجے سے 12 بجے تک اور پھر 4 بجے سے 8 بجے شام تک تھے۔

صدر کے علاوہ 8 اراکین کی ایک کونسل ہوا کرتی تھی، جن میں سے 5 کے لئے سورت میں رہنا ضروری تھا۔

صدر کے بعد اہم عہدہ اکاؤنٹینٹ کا ہوا کرتا تھا۔ ایک گودی کا انچارج ہوا کرتا تھا، جو اس سامان کی تفصیل رکھتا تھا کہ جو یورپ بھیجا جاتا تھا۔ ملازمین کو تنخواہ دینے والا عہدیدار ہوتا تھا۔ آخر میں سیکرٹری ہوا کرتا تھا جو کہ سب کاموں

دریائے ٹیمز پر مال برداری کیلئے تعمیر کیا گیا ڈوک

کی نگرانی کرتا تھا۔

جو ملازم شروع میں آتا تھا وہ اپرنٹس کہلاتا تھا۔ ملازمت کی ایک خاص مدت پوری کرنے کے بعد اسے رائٹر کا عہدہ ملتا تھا۔ اس کی تنخواہ 10 پونڈ سالانہ ہوا کرتی تھی۔ 5 سال کی مدت پوری کرنے کے بعد یہ فیکٹر ہو جاتا تھا۔ ترقی کے بعد

اسے مرچنٹ کا عہدہ ملتا تھا۔ دوسری تجارتی کوٹھیوں کے صدران ہی میں سے ہوتے تھے۔ ان ملازمین کی آدھی تنخواہ، رائٹر اور اکاؤنٹینٹ کو چھوڑ کر، انگلستان میں جمع ہوتی تھی۔ ایک منشی کو ملازم رکھا جاتا تھا، جو انہیں مقامی زبانیں سکھاتا تھا۔ بعد میں سورت کی تجارتی کوٹھی کو قلعہ بند کر لیا گیا۔ بندرگاہ پر جہازوں کے لئے ڈوک تعمیر کرایا گیا۔ ان دونوں کی حفاظت کے لئے فوجی مقرر کئے۔

جب جہاز بندرگاہ پر لنگر انداز ہوتا، تو کسٹم کے عملہ کے لوگ فوراً جہاز پر مسلح دستہ بھیجتے تھے تاکہ سامان اسمگل نہ ہو۔ اس کے بعد سامان کی تلاشی ہوتی تھی، اور آنے والے سامان پر ڈیوٹی لگائی جاتی تھی۔ انگریز تاجر کوشش کرتے تھے کہ خفیہ طریقے سے بغیر ڈیوٹی سامان لے جائیں۔ اکثر وہ وگ میں جو سر پر پہنتے تھے، ان میں سونے و چاندی کی چیزیں چھپا کر لے جاتے تھے۔ رشوت اور تحفے تحائف کے ذریعہ بھی وہ ڈیوٹی کم کرانے کی کوشش کرتے تھے۔ مغل دربار میں تاجروں کے نمائندے اسی مقصد کے لئے ہوتے تھے اور اکثر تجارتی سامان پر ڈیوٹی معافی کا فرمان حاصل کر لیتے تھے۔

سندھ کی پہلی انگریزی تجارتی کوٹھی

انگریز تاجر ابتداء ہی سے سندھ سے تعلقات قائم کرنا چاہتے تھے۔ سترہویں صدی میں سندھ کا مشہور شہر ٹھٹھہ تھا جو تجارت اور آبادی کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس کی بندرگاہ لاہری تھی جس کے ذریعہ تجارت کا سامان خلیج فارس، گوا اور گجرات جاتا تھا۔

ٹامس رو، جو انگریزوں کی جانب سے جہانگیر کے دربار میں آیا تھا، اس نے سندھ کی اہمیت کے پیش نظر کمپنی کو لکھا کہ وہ سندھ تجارت پر غور کرے۔ سندھ سے جو اشیاء باہر بھیجی جاتی تھیں، ان میں سوتی کپڑا، روئی کے دھاگے، سلک، نیل اور شورہ تھے۔ جب 1635 میں ٹھٹھہ میں شاہی فرمان کے ذریعہ کمپنی نے تجارتی کوٹھی قائم کی تو اس کے تین مقاصد تھے:

چند اہم تاریخیں

1498	واسکوڈی گاما کا کیرل میں کالی کٹ پر قاضی کوٹ میں آنا
1600	انگلستان میں ایسٹ انڈیا کا قیام اور رائل چارٹر کی منظوری
1640	مدراس کا قیام
1664	ممبئی کا انگلستان کو ملنا
1690	کولکتہ کا قیام
1717	فرخ سیر کی جانب سے کمپنی کی تجارتی اشیاء پر ٹیکس کی معافی

لندن کی مارکیٹ کے لئے سوتی کپڑا بھیجا جائے، نیل حاصل کیا جائے، اور لاہری بندر سے خلیج اور ہندوستان کے ساحلی شہروں سے تجارت کی جائے۔

پہلی انگریزی تجارتی کوٹھی سندھ میں 27 سال تک قائم رہی اور 1662 میں یہ بند ہوئی۔ بند ہونے کی وجہ یہ تھی کہ سندھ کی تجارت سے کمپنی کو فائدہ نہیں ہوا۔ لہٰذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس کو بند کر دیا جائے۔ اس کے بعد 96 سال تک کوئی ایسی کوشش نہیں کی گئی کہ سندھ سے دوبارہ تجارتی تعلقات قائم کئے جائیں۔

جب ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں ایک سیاسی طاقت بن گئی تھی، تو 1799 میں ٹھٹھہ اور کراچی میں تجارتی کوٹھیاں قائم ہوئیں۔ لیکن جب سندھ کے تاجروں کی جانب سے ان کی مخالفت ہوئی تو 1800 میں ان دونوں کوٹھیوں کو بند کر دیا گیا۔

سندھ کی پہلی انگریزی تجارتی کوٹھی

پریذیڈنسیز

مدراس پریذیڈنسی کا سکہ

بمبئی پریذیڈنسی کا سکہ

ہندوستان کی تجارت سے کمپنی کو جو منافع ہوا، اس کی وجہ سے اس نے اپنے فیکٹری سسٹم کو اور زیادہ پھیلا دیا۔ خاص طور سے تین نئے شہروں میں کمپنی کے تجارتی مراکز قائم ہوئے۔ مدراس میں جو قلعہ نما فیکٹری 1639 میں تعمیر کرائی گئی، اس کی زمین وہاں کے راجہ نے بطور تحفہ کمپنی کو دی تھی۔ ممبئی کا جزیرہ جو پرتگیزیوں کے قبضہ میں تھا یہ 1661 میں برطانیہ کے شہزادے چارلس کو، پرتگیزی شہزادی سے شادی میں، جہیز میں مل گیا۔ کمپنی نے 7 جزیروں کے درمیان کا پانی خشک کر کے یہاں شہر بسایا اور فیکٹری تعمیر کی۔ کلکتہ یا کولکتہ کا شہر تین گاؤں کو ملا کر بنایا گیا، کمپنی نے یہ زمین 4300 روپیہ میں خریدی تھی۔

ان تینوں فیکٹریوں کے یہ نام تھے: مدراس سینٹ جورج، کولکتہ فورٹ ولیم، ممبئی یا بمبے فورٹ۔

یہ تینوں شہر قلعہ بند تھے۔ ان کا انتظام انگلستان کی طرز پر تھا، میونسپلٹی، عدالت، اور انگریزی فوج اس کے اہم ادارے تھے۔ قلعہ کے باہر وہ مقامی لوگ آباد ہوگئے تھے کہ جو کمپنی کی تجارت میں ان کی مدد کرتے تھے ان کی یہ بستیاں انگریزوں سے علیٰحدہ تھیں۔ مدراس، کولکتہ اور ممبئی کو بعد میں پریذیڈنسیز کہا گیا۔ ابتداء میں یہ تینوں علیحدہ علیحدہ تھیں، بعد میں ان کو کولکتہ کے ماتحت کر دیا گیا۔

بمبئی کے قریب سمندر کے کنارے تعمیر کیا گیا قلعہ

اٹھارہویں صدی

اٹھارہویں صدی ہندوستان اور انگلستان دونوں ملکوں کی تاریخ میں اہمیت کی حامل رہی ہے، کیونکہ اس صدی میں دونوں جگہوں پر تبدیلیاں آئیں جنہوں نے ان ملکوں کے حالات پر اثر ڈالا۔ ہندوستان میں مغل امپائر جو ایک عرصہ تک بڑی مضبوط تھی وہ بالآخر اپنے پھیلاؤ اور علاقائی قوتوں کے ابھار سے کمزور ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہونا شروع ہو گئی۔ اس کمزوری کی ایک اہم وجہ تخت کے لئے جانشینوں کے جھگڑے اور خانہ جنگیاں تھیں جس نے ملک کو مسلسل قتل و غارت گری میں الجھائے رکھا۔ جب سیاسی مسائل اور معاملات کے لئے جنگیں واحد حل رہ جائیں اور بات چیت کے دروازے بند ہو جائیں تو سماج کی ساری طاقت، توجہ اور دولت جنگوں پر صرف ہو جاتی ہے۔ ہر جنگ کا خاتمہ اپنے پیچھے دکھ، درد، صدمہ اور رنج و غم چھوڑ جاتا ہے۔ لہٰذا ان جنگوں نے خاندانوں کو اجاڑ دیا، اور لوگوں کی خوشیوں کو چھین کر انہیں افسردگی کی حالت میں چھوڑ دیا۔

جب مرکزی حکومت کمزور ہوئی، اور بادشاہ کے اختیارات محدود ہوتے چلے گئے تو امپائر کے صوبے آزاد ہو کر خودمختار ہو گئے۔ انہوں نے یا تو مغل بادشاہ کو اس کا مالی حصہ دینا بند کر دیا یا دیا تو بہت کم۔ اس نے مغل دربار کی تمام شان و شوکت ختم کر دی۔

سیاسی جھگڑوں کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ مغل امراء مختلف جماعتوں میں بٹ گئے، اور تخت کے مختلف امیدواروں کی مدد کے لئے سازشوں اور گٹھ جوڑ کے حربوں کو استعمال کرنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس جماعت کا امیدوار بادشاہ ہو جاتا تھا وہ دوسرے امراء کی جائیدادوں کو ضبط کراتا اور انہیں یا تو قتل کرا دیتا تھا یا ذلیل و خوار کر دیتا تھا۔

سیاسی کمزوری اور آپس کے ان خوں ریز لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے ایک طرف تو زراعت متاثر ہوئی، جب فوجیں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتیں تو وہ کھیتوں کو تہہ و بالا کر دیتی تھیں، گاؤں کو لوٹ لیتی تھیں، اس نے کسانوں کو نہ صرف مفلس کر دیا، بلکہ ان کی جان و مال کا کوئی تحفظ نہیں رہا۔ دوسری جانب تجارت پر بھی اس کا اثر ہوا، راستے محفوظ نہیں رہے، ڈاکو، لٹیرے اور ٹھگ تجارتی قافلوں کو لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ تجارت کی اس خرابی نے شہروں کو نقصان پہنچایا۔ دہلی، لاہور اور متھرا کی منڈیاں ویران ہو گئیں۔ یہاں پر جو صنعتیں قائم تھیں ان کے بیوپاری نہیں رہے۔

سیاسی افراتفری کے نتیجہ میں مرہٹہ، سکھ، روہیلے، جاٹ اور راجپوت طاقتیں ابھریں بنگال، اودھ، حیدرآباد اور میسور میں خودمختار ریاستیں قائم ہو گئیں۔ مزید تباہی اس وقت آئی جب 1739 میں نادر شاہ نے حملہ کیا، اور ہندوستان کی صدیوں کی جمع شدہ دولت کو سمیٹ کر لے گیا اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے 1748 سے 1761 تک مسلسل حملے کر کے

نہ صرف یہ کہ بچی کھچی دولت لوٹی بلکہ مغل سلطنت کو اور زیادہ کمزور کر دیا۔

جب کہ ہندوستان میں سیاسی ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی، انگلستان میں اٹھارہویں صدی صنعتی انقلاب کی راہیں ہموار کر رہی تھی۔ "تجارتی سرمایہ داری" کے تحت تاجروں نے جو منافع کمایا تھا، اب اس سرمایہ کو نئی ٹکنالوجی کے حصول اور فروغ کے لئے استعمال کیا جا رہا تھا۔ نئی مشینوں کی ایجاد اور فیکٹریوں کے سسٹم نے انگلستان میں ایک نئی دنیا کو پیدا کیا تھا۔ اب یہ سرمایہ پیداوار کے اضافہ کے لئے استعمال ہو رہا تھا۔ فیکٹریوں میں بڑی تعداد میں مصنوعات کی پیداوار ہو رہی تھی۔ لہٰذا اب تجارت اور معیشت کے نئے اصول و قوانین وضع ہوئے۔ یہ نیا سرمایہ دارانہ نظام اب "صنعتی" تھا۔ اس لئے اس کی ضرورت تھی کہ خام مال کو حاصل کیا جائے اور تیار شدہ مال کے لئے منڈیوں کی تلاش کی جائے۔

اس لئے جب کہ "تجارتی سرمایہ داری" میں ہندوستان اور دوسرے ملکوں سے سستا مال خرید کر منافع پر مہنگے داموں انگلستان اور یورپ کی منڈیوں میں بیچا جاتا تھا۔ اب اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ انگلستان کا تیار شدہ مال ہندوستان اور دوسرے ایشیا و افریقہ کے ملکوں میں فروخت کیا جائے۔ اس لئے ہندوستانی مال پر خاص طور سے اس کے کپڑے پر بھاری ڈیوٹی لگائی گئی تاکہ انگلستان کے تاجر اس سے مقابلہ نہ کریں۔ اس کے لئے ضروری ہوا کہ ہندوستان میں سیاسی اقتدار اور طاقت کو حاصل کیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ اپنے تجارتی فوائد کو حاصل کیا جائے۔

ہندوستان کے سیاسی حالات نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو یہ مواقع فراہم کر دیئے کمپنی ایک تجارتی ادارے سے ایک سیاسی طاقت بن گئی۔

کرناٹک کی جنگیں (1744-1761)

یورپی طاقتوں میں باہم محاذ آرائی کا مرکز جنوبی ہندوستان تھا، یہاں خاص طور سے فرانسیسی اور انگریز اپنے تجارتی مقاصد کے لئے سیاست میں الجھے ہوئے تھے۔ فرانسیسیوں نے پانڈیچری میں اپنا فوجی اڈا بنا لیا تھا، جب کہ انگریز مدراس (چینائی) میں اپنی فوج کے ساتھ مقیم تھے۔

دونوں یورپی کمپنیوں نے ہندوستان کے حالات سے یہ سیکھا کہ اگر مقامی حکمرانوں کے درمیان جنگیں ہوں تو ان میں اپنی فوجوں کے ذریعہ ان کی مدد کرو اور بدلے میں نقدی کے علاوہ جاگیریں گاؤں اور زمین بھی لوٹا کہ وہ اپنی فوجی اور تجارتی طاقت کو مستحکم کر سکیں۔

لیکن اس کے ساتھ ہی فرانس اور انگلستان کی کمپنیوں میں باہم مقابلہ ہوا کہ کون اس علاقے میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرے۔ جس وقت ان دونوں میں مقابلہ ہوا تو فرانسیسیوں کی جانب سے ڈوپلے تھا جو اپنی ڈپلومیسی اور جنگی تدابیر کے

ذریعہ یہاں فرانسیسی اقتدار قائم کرنا چاہتا تھا، تو دوسری طرف کلائیو تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے مفادات کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ کرناٹک میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان تین جنگیں ہوئیں، جن میں انگریز کامیاب رہے اور فرانسیسیوں کا اثر نہ صرف جنوبی ہند سے ختم ہوا بلکہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی وہ اس قابل نہیں رہے کہ انگریزوں سے مقابلہ کرسکیں۔

یورپی جنگیں

اٹھارہویں صدی میں یورپ میں کئی جنگیں ہوئیں، جن میں خاص طور سے انگلستان اور فرانس ایک دوسرے کے حریف تھے۔ ان جنگوں کا اثر ہندوستان میں بھی ہوا کہ جہاں ان دونوں ملکوں کی تجارتی کمپنیاں ایک دوسرے کے خلاف جنگوں میں الجھ گئیں۔

اسپین کی جانشینی کی جنگ	1702-1713
آسٹریا کی جانشینی کی جنگیں	1740-1748
سات سالہ جنگ	1756-1763
امریکہ کی جنگ آزادی	1775-1783
انقلاب فرانس کی جنگ	1793-1815

ایسٹ انڈیا کمپنی بنگال میں

بنگال مغل امپائر کا ایک زرخیز صوبہ تھا۔ مغل دربار کی کمزوری کے باعث یہاں ایک خودمختار حکومت قائم ہوگئی تھی، جس کا آخری نواب سراج الدولہ تھا۔ چونکہ کمپنی کو شروع سے اس بات کی فکر تھی کہ تجارت میں زیادہ سے زیادہ منافع ہو، اس لئے اس نے 1717 میں فرخ سیر سے یہ رعایت لے لی کہ کمپنی کی تجارت پر کوئی ٹیکس نہیں ہوگا اس مقصد کے لئے کمپنی کو پرمٹ دیا جاتا تھا جو "دستک" کہلاتا تھا۔ کمپنی کے ملازمین نے اس رعایت کو اپنی نجی تجارت میں بھی استعمال کرنا شروع کر دیا، اس کی وجہ سے مقامی تاجروں کو تجارت میں نقصان ہونا شروع ہو گیا اور بعض تاجروں نے رشوت دے کر "دستک" کو اپنے تجارتی مال کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کو ٹیکسوں کی آمدنی میں کمی ہوگئی۔

سراج الدولہ جو نیا نیا نواب بنا تھا، اس نے اس بدعنوانی کا نوٹس لیا، لہٰذا اس نے کوشش کی کہ 1717 سے پہلے والے تجارتی حالات کو واپس لایا جائے اور "دستک" کے ذریعہ جو مراعات ملی ہوئی ہے اس کا خاتمہ کیا جائے۔

اس کے علاوہ کمپنی نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کلکتہ کے قلعہ کو فصیل بند کر لیا تھا اور وہاں فوج میں اضافہ کر دیا تھا۔ نواب نے کمپنی کو حکم دیا کہ وہ معاہدے کی خلاف ورزی نہ کرے اور قلعہ سے فوجوں کو ہٹائے جب اس کی ہدایات پر عمل نہیں ہوا تو نواب نے قاسم بازار کی تجارتی کوٹھی پر حملہ کیا اور پھر 20 جون 1756 کو کلکتہ (کولکتہ) پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔
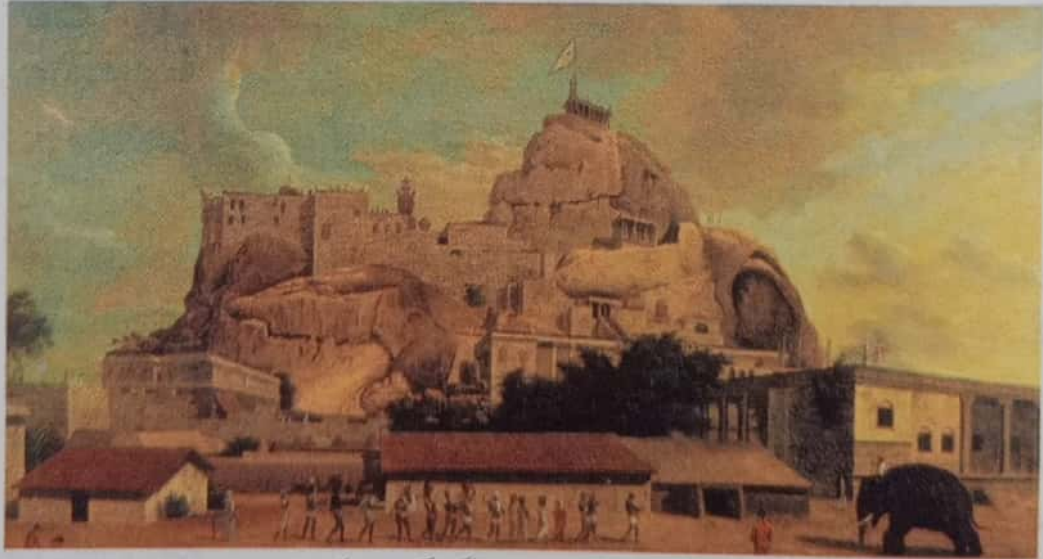
مدراس کے قریب چٹان پر تعمیر کی گئیں کمپنی کی بیرکیں

پلاسی کی جنگ

نواب سراج الدولہ

جب مدراس میں یہ خبر ملی کہ کلکتہ پر نواب سراج الدولہ کا قبضہ ہوگیا ہے تو کمپنی نے فوراً کلائیو کو بنگال روانہ کیا تاکہ وہ دوبارہ سے کمپنی کی پوزیشن کو بحال کرائے۔ کلائیو جنوبی ہندوستان میں بحیثیت فوجی کے شہرت حاصل کر چکا تھا۔ مگر اسے یہ اندازہ تھا کہ محض فوجی کارروائی سے وہ کامیابی حاصل نہیں کر سکے گا۔ اس لئے اس نے نواب کے خلاف ایک سازش تیار کی جس میں نواب کے درباری اور بنگال کا تاجر طبقہ اس کے ساتھ ہوگیا۔

ان لوگوں کی سازش میں شرکت اور کمپنی کا ساتھ دینے کی وجوہات تھیں، بنگال کے ساہوکار، بیوپاری، تاجر اور زمیندار نئے نواب سے خوش نہیں تھے۔ کیونکہ نواب ایک تو اس بات کی کوشش کر رہا تھا کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں کی تجارت میں توازن پیدا کرے، دوسرے اس کی خواہش تھی کہ وہ کمپنی کی مراعات کو ختم کر کے اپنی خودمختاری کو مستحکم کرے۔ اس سلسلہ میں مقامی تاجر اور درباری بھی اس میں آتے تھے کہ وہ اس کی اطاعت کریں اور اس کے احکامات کی تعمیل کریں۔ بنگال کا تاجر طبقہ اس پالیسی کا مخالف تھا، انہیں کمپنی کے ذریعہ یہ سہولت تھی کہ وہ اپنا تجارتی مال ان کے جہازوں کے ذریعہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں اور دوسرے ملکوں میں بھیجا کرتے تھے، یہ کمپنی کو سود پر روپیہ بھی ادھار دیتے تھے، اور بطور دلال ان کے لئے کام بھی کرتے تھے۔ اس لئے جن لوگوں نے خفیہ طور سے کمپنی کا ساتھ دیا ان میں جگت سیٹھ، مہتاب رائے، سروپ چند راجہ، مانک رام، راجہ دل رابھ، راجہ جانکی رام، راجہ رام نرائن اور راجہ مانک چند قابل ذکر تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر کمپنی اور نواب کے درمیان جنگ ہوئی اور اس کمپنی کو شکست ہوئی تو اس سے ان کے مفادات کو نقصان پہنچے گا۔

میر جعفر نے بھی کمپنی کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اور اس کے ساتھ اور درباریوں کے علاوہ فوج کا کمانڈر خادم خاں بھی تھا۔ اس لئے جب 1757ء کو پلاسی کی جنگ ہوئی تو اس میں سراج الدولہ کو شکست ہوئی اسے گرفتار کر کے فوراً ہی قتل کر دیا گیا۔

تاریخ میں سراج الدولہ کے بارے میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ وہ نا تجربہ کار اور نا اہل شخص تھا، کمپنی کی تاریخ لکھنے والوں کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہ دیں تا کہ ان کی سازش اور فتح کو جائز سمجھا جائے۔ لیکن

پلاسی کا میدان جنگ

جیسا کہ سراج الدولہ کی شخصیت سے معلوم ہوتا ہے، اسے ابتداء ہی سے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ کمپنی کی تجارت بنگال کو نقصان پہنچا رہی ہے، لہٰذا اس کا تدارک کرنا چاہئے۔ دوسرے جب تک سازش نہیں ہوئی تھی اس نے فوجی قوت سے کمپنی کو شکست دے کر کلکتہ پر آسانی سے قبضہ کر لیا تھا۔ پلاسی میں اسے اس لئے شکست ہوئی کہ اس کے خلاف سازش میں تاجر و ساہوکار اور درباری شریک تھے ورنہ کمپنی اس وقت تک فوجی لحاظ سے اس قدر طاقت ور نہیں تھی کہ وہ نواب کو میدان جنگ میں ہرا سکتی۔

پلاسی کی جنگ اس لحاظ سے بھی اہمیت کی حامل تھی کہ اس نے بنگال میں کمپنی کو ایک سیاسی طاقت بنا دیا۔ مگر ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں اس کی اہمیت کی جانب کوئی زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ کیونکہ اٹھارہویں صدی میں علاقائی طاقتیں ابھر رہی تھیں، اس لئے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بھی ان ہی میں سے ایک سمجھا گیا۔

لیکن کمپنی اور اس کے ملازمین نے اس فتح سے بہت فائدہ اٹھایا۔

پلاسی کے بعد

سراج الدولہ کے بعد میر جعفر کو بنگال کا نواب بنایا گیا، مگر دیکھا جائے تو یہ برائے نام نواب تھا اور کمپنی کے اختیارات بہت زیادہ بڑھ گئے تھے۔ جنگ کے فوراً بعد 270,00 پاؤنڈ کی رقم کمپنی کی فوج میں تقسیم کی گئی۔ 22.6 ملیون پاؤنڈ کی رقم میر جعفر سے لی گئی، کیونکہ اسے اسی شرط پر نواب بنایا گیا تھا، کلائیو کو 34,34 پاؤنڈ کی جاگیر انعام میں ملی۔ جب وہ واپس گیا تو اس کے پاس نقدی اور جواہرات کی شکل میں جو رقم تھی وہ 312,000 پاؤنڈ بنتی تھی۔ کلائیو کی فوج کے سپالٹرن کو پلاسی کے بعد 5000 پاؤنڈ ملے۔

اس کے بعد سے کمپنی کو یہ اندازہ ہو گیا کہ نئے نواب بنانا کس قدر فائدہ مند ہے۔ اس لئے جب میر جعفر ان کے مطالبات پورے کرنے میں ناکام ہوا تو انہوں نے میر قاسم کو نواب بنا دیا جب یہ بھی ناکام ہوا تو اسے معزول کر دیا۔

نوابوں کی جانشینی میں کمپنی کو 10,000,00 پاؤنڈ ملے۔ اس کے علاوہ کمپنی کے ملازمین نے نذرانوں، تحفوں اور رشوت میں لاکھوں پاؤنڈ جمع کئے۔

پلاسی کی جنگ کے بعد کلائیو میر جعفر سے ملتے ہوئے

بکسر کی جنگ (1764)

جب میر قاسم بنگال کا نواب تھا، وہ کمپنی کی لوٹ کھسوٹ سے عاجز آ گیا، اس لئے اس نے مغل بادشاہ شاہ عالم اور اودھ کے نواب شجاع الدولہ کے ساتھ مل کر انگریزوں سے مقابلہ کا منصوبہ بنایا۔ 1764 میں بہار کے علاقے میں بکسر کے مقام پر دونوں فوجوں کے درمیان جنگ ہوئی، جس میں کمپنی کی فوج فتح مند ہوئی۔

بکسر کی جنگ نے بالآخر یہ فیصلہ کر دیا کہ اب ہندوستان میں کمپنی کا اقتدار قائم ہو گیا ہے اور ہندوستان کی فوجیں بھی مل کر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں۔

بکسر کی جنگ کے بعد کمپنی کو 1765 کے معاہدے کے تحت بنگال کی دیوانی مل گئی یعنی اسے یہ اختیار مل گیا کہ وہ اس علاقہ سے لگان وصول کرے گی۔ لیکن یہ دُہرا نظام تھا، لگان وصول کرنا کمپنی کا حق تھا جب کہ علاقہ میں انتظام کی دیکھ بھال نواب کے ذمہ تھی۔ اس طرح کمپنی حکومت میں نواب کی شریک ہوگئی، مگر نواب کے پاس مالی اختیارات نہیں تھے، وہ

لوٹ کھسوٹ کا نتیجہ

اس لوٹ کھسوٹ کا یہ نتیجہ ہوا کہ بنگال جو اب تک ہندوستان کا زرخیز صوبہ تھا، وہ 1769 اور 1770 میں قحط کا شکار ہو گیا، مگر قحط کے باوجود کمپنی کسانوں سے لگان کی وصولی میں سختی کرتی رہی۔ اس بارے میں ایک مورخ نے لکھا ہے کہ:

"لوگوں کی تکلیف اور بھوک کے زمانے میں اتنی سختی سے مال گزاری وصول کرنا، اس قدر تکلیف دہ ہے کہ اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔ (قحط کے نتیجہ میں) بنگال کی کل آبادی کا ایک تہائی حصہ یا تقریباً ایک کروڑ انسان قحط کا شکار ہو گئے۔ ایک طرف تو گاؤں، بازار اور راستے میں مرنے والے بدقسمتوں کی امداد کے کوئی باقاعدہ اقدامات نہیں کئے گئے، دوسری طرف کمپنی کے ملازموں کی کارروائیوں نے مرنے والوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔ ان کے گماشتوں نے نہ صرف کل غلّہ پر اجارہ حاصل کر لیا تاکہ بھوک کے مارے لوگوں کے ہاتھوں زیادہ قیمت پر فروخت کیا جا سکے، بلکہ کسانوں کو مجبور کیا کہ وہ بیج بھی فروخت کر دیں جو اگلی فصل کے لئے بچا کر رکھا گیا تھا۔

(رمیش دت: ہندوستان کی معاشی تاریخ)

کمپنی کے پاس تھے۔ اس وجہ سے کمپنی اب اس پوزیشن میں تھی کہ وہ ہندوستان کی آمدنی پر فوج رکھ سکے اور تجارتی منافع انگلستان منتقل کر سکے۔

نوباب (نواب)

کمپنی کے وہ ملازمین جو ہندوستان سے لوٹ کھسوٹ، اور تجارت کے ذریعہ دولت اکٹھی کر کے واپس انگلستان جاتے تھے تو اس دولت سے وہ اپنے لئے شہروں اور دیہاتوں میں عالیشان حویلیاں تعمیر کراتے تھے، جن میں ہندوستانی طرز کا فرنیچر، آرائش کی اشیاء اور نایاب چیزوں کی سجاوٹ ہوتی تھی، اس سے وہ اپنا تعلق ہندوستان سے ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ اپنے سماجی مرتبہ کو بڑھانے کی خاطر یہ جائیدادیں خریدتے تھے تاکہ ان کا شمار انگلستان کے جاگیردار طبقہ میں ہو سکے۔ سیاسی اثر و رسوخ بڑھانے کی خاطر یہ ایسے حلقوں سے پارلیمنٹ کی نشست خرید لیتے تھے کہ جہاں ووٹر کم ہوں اور باآسانی الیکشن میں جیتا جا سکے۔ ان کے اس انداز اور طرزِ زندگی سے انگلستان کے قدیم امراء سخت ناراض ہوئے اور انہیں طنزاً ''نوباب'' کہنا شروع کر دیا۔

ایک امیر نے ان کے بارے میں کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کا کوئی تعلق زمین یعنی موروثی جائیداد سے نہیں ہے۔ یہ اس سونے کی مدد سے جو ہندوستان سے لاتے ہیں، پارلیمنٹ کی نشست خرید کر اس کے ممبر بن جاتے ہیں۔ یہ بدعنوانی اور رشوت کا سیلاب اپنے ساتھ لاتے ہیں، اس لئے موروثی امراء ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں۔

نوباب (نواب) گھڑسواری کرتے ہوئے

کمپنی کیوں کامیاب ہوئی؟

ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے جو فتوحات اور کامیابیاں حاصل کیں، اس کی بہت سی وجوہات تھیں۔ بنگال کی فتح ایک لحاظ سے پہلی فتح تھی، مگر یہ بھی جنگ سے زیادہ سازش کا نتیجہ تھی۔ اس وقت تک کمپنی کا مقصد ہندوستان کے کسی بھی علاقہ پر قبضہ کر کے حکومت کرنا نہیں تھا، بلکہ یہ تھا کہ وہ اس کے ذریعہ سے زیادہ سے زیادہ تجارتی مراعات حاصل کریں، اور ایک ایسے شخص کو نواب بنا دیں کہ جس سے وہ قیمتی تحفے تحائف، انعامات اور تجارت کے لئے فوائد حاصل کر سکیں، مگر یہ نظام زیادہ دیر نہ چل سکا اور بکسر کی جنگ کے بعد انہوں نے ریونیو وصول کرنے کے حق کو حاصل کر لیا، مگر انتظامی معاملات سے دور رہے، لیکن یہ پہلا قدم تھا کہ اس نے کمپنی کو با اختیار بنایا۔

کچھ انگریز مورخوں کا کہنا ہے کہ کمپنی کو جو کامیابیاں ہوئیں، وہ حادثاتی تھیں ورنہ ابتداء میں کمپنی کی پالیسی یہ تھی کہ جنگوں میں الجھ کر اخراجات سے بچا جائے اور ساری توجہ تجارت پر دی جائے۔ لیکن تجارت میں ترقی کے لئے ضروری تھا کہ تحفظ کی خاطر تجارتی کوٹھیاں، ان کی حفاظت کے لئے قلعے اور فوجیں رکھی جائیں۔ سمندروں میں بحری جہازوں کی حفاظت کے لئے فوج ضروری تھی تا کہ بحری قزاقوں سے محفوظ رہا جائے۔

ہندوستان میں فتوحات کا جذبہ یہاں کے سیاسی حالات کی وجہ سے پیدا ہوا جب جنوبی ہندوستان میں انہوں نے ہندوستانی فوجوں کو شکست دی تو ان میں یہ ہمت پیدا ہوئی کہ وہ ایک تربیت یافتہ فوج کی مدد سے کسی بھی ہندوستانی حکمراں کو شکست دے سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ہندوستان میں فوج تیار کی اور اسے یورپی طرز پر تربیت دے کر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ اس لئے ایک طرف تو ہندوستانی بنیوں یا بیوپاریوں نے ان کا ساتھ دیا تو دوسری طرف بیروزگار ہندوستانی ان کی فوج میں آئے کہ جنہیں وقت پر تنخواہ ملتی تھی، جس کا رواج ہندوستان میں نہیں تھا۔

ایک خاص بات یہ تھی کہ یہ فوجی کسی ایک شخص کے وفادار نہیں ہوتے تھے بلکہ کمپنی سے ان کی وفاداری ہوتی تھی، ''کمپنی بہادر'' کا ایک تصور ان کے ذہن میں تھا، جو ان کی مالک تھی، اس لئے میدان جنگ میں اگر کمانڈر مارا بھی جاتا تو یہ کمپنی کے نام پر لڑتے رہتے تھے۔

تاجروں کے طبقے کے مفادات بھی کمپنی سے جڑتے چلے گئے، یہ اپنا مال یورپی تاجروں کے ذریعہ دوسرے ملکوں میں بھجوانے لگے، مغل سماج میں اب ضرورت سے زیادہ پیداوار ہونے لگی، مگر اس کے لئے ان کے پاس منڈیاں نہیں تھیں اس لئے یورپی تاجروں کو خوش آمدید کہا گیا تا کہ وہ ان کے مال کی کھپت کر سکیں۔ اس کے علاوہ مقامی طور پر دلالوں کا طبقہ

تھا جو کمپنی کے لئے تجارتی مال تیار کرا کے لاتا تھا۔

کمپنی کی حمایت اور اس کے ساتھ تعاون کرنے والوں میں گماشتے، مترجم، بنئے، مقامی تاجر، اور فوجی وملازمین شامل تھے۔

اب تک ہندوستان میں لوگوں میں قوم پرستی، یا ملک سے وفاداری کے احساسات نہیں تھے۔ ان کی سیاسی وفاداریاں بھی بدلتی رہتی تھیں، اس لئے ان کے لئے یہ مشکل نہ تھا کہ وہ کمپنی کے ساتھ اپنے مفادات جوڑ کر اس سے وفادار ہو جائیں۔

کمپنی کے ذرائع آمدنی

آہستہ آہستہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی مالی حالت بہت بہتر ہوگئی۔ ابھی تک اس کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ تجارت تھا، جس سے اسے منافع ہوتا تھا۔ بنگال میں دیوانی کے حقوق کے بعد وہ یہاں سے ریونیو وصول کرنے لگی، جس نے اس کی آمدنی کو بڑھا دیا۔ اس کی آمدنی کا تیسرا ذریعہ ایسی فصلوں کی کاشت تھی کہ جو مارکیٹ میں فوراً فروخت ہو جائیں۔ ان میں نیل، کپاس اور پٹ سن قابل ذکر ہیں۔ ریونیو کی وصولی میں سختی اور اپنی پسند کی فصلوں کی کاشت نے بنگال کی زراعت کو متاثر کیا، اس لئے یہاں 1770 میں زبردست قحط پڑا۔

دوسرا باب

کمپنی کی حکومت

کمپنی کی فوجی وردی پر لگایا جانے والا
بٹن جس پر شیر تاج اٹھائے ہے

جب کمپنی تجارتی ادارے کے ساتھ ساتھ حکومتی ادارہ بن گئی اور انگلستان میں اس کے ملازمین کی لوٹ کھسوٹ اور بدعنوانیوں کے بارے میں لوگوں کو معلوم ہوا تو اس کا ردعمل یہ ہوا کہ چونکہ اب کمپنی نے ہندوستان میں حکومت قائم کر لی ہے اس لئے بدعنوانی اور کرپشن کو ختم ہونا چاہئے۔ اگر اس کے ملازم اور عہدے دار لوٹ کھسوٹ میں رہے تو اس سے نہ صرف ان کی اور کمپنی کی بدنامی ہوگی، بلکہ وہ بہت جلد ہندوستان میں بدنام ہو جائیں گے۔ کلائیو بھی جب دوبارہ بنگال کا گورنر مقرر ہو کر آیا (1760-1765) تو اس نے بھی کمپنی کے معاملات کو درست کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب وہ واپس انگلستان گیا تو اس پر بدعنوانی کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ کلائیو نے 1775 میں خودکشی کر لی۔

جب بنگال میں قحط پڑا، تو اس نے کمپنی کے الزامات میں اور زیادہ اضافے کر دیئے، بالآخر انگلستان کی پارلیمنٹ نے اس کے معاملات کو بہتر بنانے کے لئے 1773 میں ریگولیٹنگ ایکٹ پاس کیا تاکہ برطانوی پارلیمنٹ کمپنی کے معاملات پر کنٹرول کر سکے۔

1784 میں پارلیمنٹ نے ایک اور ایکٹ پاس کیا جو پٹ انڈیا ایکٹ (Pitt's India Act) کہلاتا ہے۔ اس

ہندوستان کا پہلا گورنر جنرل وارن ہسٹنگز

ایکٹ میں اس بات کا خیال رکھا گیا کہ پارلیمنٹ کمپنی کے معاملات پر اور زیادہ کنٹرول کرے۔ اس مقصد کے لئے ''بورڈ آف کنٹرول'' کے نام سے ایک ادارہ بنایا گیا جو کمپنی کے معاملات پر نظر رکھے۔

ان انتظامی اصلاحات کے نتیجہ میں کمپنی کا جو نیا نظام ابھر کر آیا، اس میں، پریذیڈنسی کا گورنر، گورنر جنرل، بورڈ آف کنٹرول اور برطانوی پارلیمنٹ کے ادارے تھے۔

لیکن اس کنٹرول کے باوجود حالات کے تحت گورنر اور گورنر جنرل خود فوری فیصلے لیتے تھے، جنہیں بعد میں توثیق کے لئے برطانیہ بھجوا دیتے تھے۔

چونکہ کمپنی کے پاس اب حکومت آ گئی تھی، اس لئے یہ ضروری ہوا کہ وہ اس شان و شوکت کو اختیار کرے کہ جو حکومتی اداروں کے پاس ہوتی ہے،

ریگولیٹنگ ایکٹ 1773

ریگولیٹنگ ایکٹ نے کلکتہ میں تبدیلیاں کیں۔ اس میں ایک گورنر جنرل اور 4 ممبران پر مشتمل ایک کونسل کا تقرر کیا۔ ان کے عہدوں کی مدت 5 سال تھی۔ فیصلے ووٹوں کی اکثریت سے ہوتے تھے۔

اس ایکٹ کے ذریعہ مدراس اور بمبئی کی پریذیڈنسیاں کلکتہ کے ماتحت کر دی گئیں تاکہ پورے ملک میں ایک نظام ہو۔

ایکٹ کے ذریعہ کلکتہ میں سپریم کورٹ قائم کیا گیا۔ اس میں ایک چیف جسٹس اور 3 جج ہوا کرتے تھے۔

ایکٹ کے تحت نجی کاروبار پر پابندی لگا دی گئی۔ کمپنی کے عہدیداروں کے لئے تحفے تحائف لینا ممنوع قرار دیدیا گیا۔

اس مقصد کے لئے اب کلکتہ میں گورنمنٹ ہاؤس کی شاندار عمارت تعمیر کرائی گئی اور کہا گیا کہ ''ہندوستان پر شاندار عمارت یا محل سے حکومت کی جائے، کسی تاجر کے کارخانے یا بزنس ہاؤس سے نہیں۔ کیونکہ حکومت کا تصور بادشاہت سے ہوتا ہے،

کپڑے یا نیل کے تاجروں سے نہیں۔"

ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر جنرل

وارن ہیسٹنگز	1773-85
کارنوالس	1786-53
شور	1793-98
ویلزلی	1798-1805
بارلو	1805-1807
منٹو	1807-13
لارڈ ہسٹنگز	1813-23
ایمہرسٹ	1823-28
بنٹنک	1828-35
آک لینڈ	1836-42
ایلن برو	1842-44
ہارڈنگ	1844-48
ڈلہوزی	1848-56
کیننگ	1856-62

کمپنی اور جنگیں

کمپنی کے اعلیٰ حکام جو انگلستان میں تھے، ان کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کی تجارت سے منافع حاصل کیا جائے، اس لئے کمپنی اپنی توجہ تجارت پر رکھے، وہ اس حق میں نہیں تھے کہ کمپنی مقامی ریاستوں اور حکمرانوں سے جنگوں میں الجھے، کیونکہ اس صورت میں ایک تو جنگی اخراجات ہوتے تھے، دوسرے مقامی جھگڑوں اور کش مکش میں الجھ کر تجارت کو نقصان ہوتا تھا۔

اس کے برعکس کمپنی کے جو عہدیدار ہندوستان میں تھے، ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اگر کمپنی سیاسی طور پر طاقتور ہو جائے گی تو اس صورت میں وہ زیادہ سے زیادہ تجارتی فوائد حاصل کر سکے گی۔ اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ جنگی اخراجات بالآخر وہ ٹیکسوں اور لگان کی وصولی کے ذریعہ پورے کر سکیں گے۔ مزید کمپنی ہندوستان میں اس لئے بھی جنگوں میں الجھی کیونکہ یہاں فرانس کی کمپنیاں بھی اپنے اثر و رسوخ کو بڑھا رہی تھیں اور فرانس و انگلستان یورپ میں بھی جنگوں میں مصروف تھے۔ ان جنگوں کی وجہ سے ہندوستان میں بھی یہ آپس میں لڑائی میں مصروف ہو جاتے تھے۔

چونکہ کمپنی کی مالی حالت بہتر ہو گئی تھی، اس کی آمدنی کا ذریعہ اب ہندوستان سے وصول ہونے والا روپیہ تھا اس لئے جنگیں کمپنی کے لئے بوجھ نہیں تھیں۔ دوسرے کمپنی کو اپنی فوجی طاقت کا احساس ہو گیا تھا، اور اس پر یہ بھی ظاہر ہو گیا تھا کہ ہندوستان میں اب کوئی ایسی طاقت نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے، اس لئے سیاسی اقتدار کے پھیلاؤ میں اس کی خواہش بڑھتی چلی گئی۔

کمپنی نے ہندوستان کی ریاستوں کو اپنے ماتحت کرنے کے لئے جو منشور بنایا، اس کے تحت انہیں پابند بنایا کہ

1- انگریزوں کی اتحادی ریاستوں اور پڑوسی ریاستوں سے وہ جنگ نہیں کریں گے۔
2- انگریز فوج کو اپنی ریاست میں رکھیں گے اور اس کے تمام اخراجات بھی برداشت کریں گے۔
3- انگریز ریذیڈنٹ کمپنی کے نمائندے کے طور پر ریاست میں رہے گا۔
4- وہ پردیسی اقوام کو جو انگریزوں کے مخالف ہیں، ان کے لوگوں کو ملازمت میں نہیں رکھا جائے گا۔
5- کمپنی ریاست کے حکمراں کو تحفظ دے گی۔
6- ریاستی حکمراں اپنے اندرونی معاملات میں آزاد ہوگا۔

1761 اور 1856 میں حیدر آباد کے نظام، اودھ کے نواب اور مرہٹوں کے پیشوا کے ساتھ اس قسم کے معاہدے کئے گئے۔ کمپنی کی یہ پالیسی رہی کہ جو ریاستیں اس معاہدے پر دستخط کر دیں انہیں وہ تحفظ دیدیں، جو انکار کریں ان سے جنگ کر کے یا تو انہیں ختم کر دیں، یا ان سے زبردستی اس معاہدے پر دستخط کرائیں۔

اس سلسلہ میں کمپنی کو میسور کے حکمراں ٹیپو سلطان کے ساتھ مشکل پیش آئی، کیونکہ اس نے معاہدہ کرنے کے بجائے، انگریزوں کے خلاف مزاحمت کا راستہ اختیار کیا۔

ٹیپو سلطان

ٹیپو سلطان

میسور کی سلطنت کا بانی حیدر علی تھا، جو 1761 سے 1782 تک اس کا حکمراں رہا۔ میسور کے حکمراں کی حیثیت سے اسے ایسٹ انڈیا کمپنی سے دو بار جنگ کرنا پڑی، اور اس نے کمپنی کو دھکیل کر مدراس کے قلعہ میں محصور کر دیا تھا، لیکن دونوں مرتبہ لڑائی معاہدوں کے ذریعہ ختم ہوئی۔

حیدر علی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ٹیپو، سلطان بنا (1788)۔ اس نے نہ صرف اپنی سلطنت کو اندرونی طور پر مضبوط کیا بلکہ فتوحات کے ذریعہ نئے علاقے بھی اس میں شامل کر لئے۔ کمپنی کے لئے ٹیپو، بڑے خطرے کی نشانی تھا کیونکہ اس نے نہ صرف میسور کو جدید یورپی ماڈل پر تشکیل دینا شروع کیا، بلکہ کمپنی کی طاقت و اقتدار کو بھی چیلنج کیا۔

ٹیپو سلطان کے بارے میں انگریزوں نے زبردست پروپیگنڈا کیا، جس میں اسے ایک کٹر اور انتہا پسند مسلمان بتایا گیا کہ جس نے ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنایا، اس پر یہ الزام بھی لگایا گیا کہ اس نے ہندوؤں کے مندروں کو تباہ کیا۔ ٹیپو، انگریزی دور میں تو ایک متنازعہ شخصیت رہا، مگر اب تحقیق کے ذریعہ جو حقائق سامنے آئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک روادار اور لبرل حکمراں تھا جو نہ صرف ہندوؤں کے ساتھ برابری کا سلوک کرتا تھا بلکہ عیسائیوں کے ساتھ بھی اس کا رویہ ہمدردانہ تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے سامراجانہ عزائم کو نہ صرف حیدر علی بلکہ اس نے بھی بھانپ لیا تھا، اس وجہ سے اس نے اپنی فوج کو جدید خطوط پر تیار کیا، اسلحہ کی فیکٹریاں لگائیں تا کہ اپنا اسلحہ خود تیار کر سکے۔ بحریہ کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے جہازوں کا بیڑہ تیار کرایا۔ زراعت کی ترقی کے لئے آب پاشی کے انتظامات کئے، اور کسانوں کو سہولتیں دیں۔ صنعت و حرفت کے فروغ کے لئے کئی فیکٹریاں قائم کیں اور تجارت کو پھیلانے کی غرض سے دوسرے ملکوں میں تجارتی کوٹھیاں بنوائیں۔

ٹیپو کی شہادت

ٹیپو کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے ''حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی تاریخ'' کا مورخ لکھتا ہے کہ:

''جنرل بیرڈ (Baird) جو کہ کمانڈر آفیسر تھا وہ شام کے وقت قلعہ کے دروازہ پر آیا، جہاں قلعہ دار اور سلطان کے کئی ملازم موجود تھے۔ اس موقع پر سلطان کی لاش کو تلاش کیا گیا۔ بڑی مشکل کے بعد وہ لاشوں میں دبی ہوئی ملی۔ اس وقت تک اس کی آنکھیں کھلی اور جسم گرم تھا۔ جسم میں اس قدر گرمی تھی کہ کرنل ویلزلی اور دوسرے انگریز افسران کو شبہ ہو گیا کہ کہیں وہ زندہ تو نہیں ہے۔ لیکن جب اس کی نبض اور دل کی حرکت کو دیکھا گیا تو یہ شبہ دور ہوا۔''

اس کے جنازے کے بارے میں یہی مصنف لکھتا ہے کہ:

''جس راستے سے جنازہ گذر رہا تھا وہ سڑکیں لوگوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ان میں سے بہت سے لوگ جنازے کے آگے سجدہ میں گر گئے اور اس کی موت پر نوحہ زاری کی۔''

ٹیپو کے حکم پر بنایا ہوا شیر اور انگریز والا مجسمہ لندن میں وکٹوریہ اینڈ البرٹ میوزیم میں ہے۔

میسور پر قبضہ کے بعد انگریزوں نے ٹیپو کی لائبریری پر قبضہ کر لیا، یہ ایک قیمتی لائبریری تھی، جس کی کتابیں لندن اور کلکتہ بھیج دی گئیں۔ اس کے سامان کو بھی ضبط کر لیا گیا۔

ٹیپو سلطان کی تلوار

ٹیپو کو یورپی ٹکنالوجی حاصل کرنے کی دھن تھی، اس مقصد کے لئے اس نے فرانس سے تعلقات بڑھائے اور فرانسیسی حکومت سے درخواست کی کہ وہ ٹکنالوجی کے ماہرین میسور بھجوائے۔ جب فرانس میں انقلاب آیا تو اس نے انقلابی حکومت سے رابطہ کیا اور فرانس کا ریپبلک کا جھنڈا لہرایا۔

کمپنی ٹیپو اور میسور سلطنت کی اس طاقت سے خوف زدہ تھی اس لئے اس نے نظام اور مرہٹہ کے ساتھ مل کر میسور پر حملہ کیا، ٹیپو کو تن تنہا ان تینوں کا مقابلہ کرنا پڑا، اسے جنگ میں شکست ہوئی، معاہدے کے نتیجہ میں اسے آدھی سلطنت بطور تاوان اور دو بیٹے بطور یرغمال دینے پڑے۔ اسے تین کروڑ روپیہ بھی ادا کرنے کو کہا گیا۔ ان تمام نقصانات کے باوجود اس نے تھوڑی مدت میں خود کو سنبھال لیا۔ لیکن تینوں طاقتوں کو اس سے ابھی بھی خطرہ تھا، اس لئے 1799 میں اس پر دوبارہ حملہ کیا گیا۔ اس نے ہتھیار ڈالنے کے بجائے لڑنا پسند کیا اور لڑتے ہوئے شہید ہوا۔

1803 میں کمپنی نے پٹ پڑ گنج کے مقام پر مرہٹوں کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کر لیا، اس طرح مغل بادشاہ بھی ان

کمپنی کی ہندوستان میں جنگیں

1767-69	میسور کی پہلی جنگ
1775-82	مرہٹوں کے ساتھ پہلی جنگ
1780-84	میسور کی دوسری جنگ
1790-92	میسور کی تیسری جنگ
1798-99	میسور کی آخری جنگ
1803	دہلی پر قبضہ
1803-1805	مرہٹوں سے دوسری جنگ
1817-18	مرہٹوں سے آخری جنگ
1843	سندھ پر قبضہ
1845-46	سکھوں سے پہلی جنگ
1848-49	پنجاب پر قبضہ

کے قبضہ میں آ گیا۔ آخر میں 1843 میں سندھ اور 1849 میں پنجاب پر قبضہ کر کے کمپنی نے ہندوستان میں اپنی امپائر کو پھیلا کر مضبوط کر لیا۔

ڈلہوزی اور ریاستیں

کمپنی نے جنگوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی ریاستوں پر قبضہ کرنے کے لئے ایک اور طریقہ کو استعمال کیا، ڈلہوزی نے اس پالیسی کو اختیار کیا کہ اگر کوئی والیء ریاست بغیر وارث کے مر جائے، یا جس حکمراں کے بارے میں کمپنی کو یہ اطلاعات ملیں کہ اس نے ریاست میں اچھا انتظام نہیں رکھا ہے، تو اس صورت میں ان کی ریاستوں پر کمپنی قبضہ کر سکتی ہے۔
اگرچہ ہندوستان میں یہ رواج تھا کہ جو راجہ لاولد ہوتا تھا، وہ کسی کو اپنا بیٹا بنا کر اسے وارث بنا سکتا تھا، مگر کمپنی نے اس روایت کو بھی ختم کر دیا، اور اس پالیسی کے تحت جھانسی، ستارا، اور ناگپور کی ریاستوں پر قبضہ کر لیا۔ 1856 میں کمپنی نے اس حیلہ پر کہ اودھ کا انتظام ٹھیک نہیں ہے، اس پر قبضہ کر کے اس کے حکمراں واجد علی شاہ کو کلکتہ جلاوطن کر دیا۔ کمپنی کا یہ بھی منصوبہ تھا کہ مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے بعد، بادشاہت کا خاتمہ کر دیا جائے، اور شاہی خاندان سے لال قلعہ خالی کرا لیا جائے۔
انیسویں صدی میں ایسٹ انڈیا کمپنی، ایک سیاسی طاقت بن کر، ہندوستان میں ''کمپنی بہادر'' بن گئی۔ اور یہ کہا جانے لگا کہ ''خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم کمپنی بہادر کا۔''

اہم تاریخیں

بنگال کا قحط	1770-73
ریگولیٹنگ ایکٹ	1773
پٹس انڈیا ایکٹ	1784
میسور کا حکمراں حیدر علی	1764-82
میسور کا حکمراں ٹیپو سلطان	1782-99
پنجاب کا حکمراں رنجیت سنگھ	1792-1839

کمپنی اور انتظام

جنگوں کے نتیجہ میں اگر فتح حاصل کر لی جائے، تو اس کے بعد قبضہ کرنے والی طاقت یا جماعت کے لئے سب سے

بڑا چیلنج امن و امان کو برقرار رکھنا، اور نظم و نسق کو قائم کرنا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں عام طور پر قابض طاقتیں دو باتوں پر عمل کرتی ہیں۔ ایک تو وہ اپنے سے پہلے کے حکمرانوں کے قوانین، روایات اور اداروں کو قائم رکھتی ہیں تاکہ لوگوں میں تسلسل کا احساس رہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں اپنے قبضہ کو مضبوط بنانے اور اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے نئی روایات، ادارے، اور قوانین کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ انہیں یہ خطرہ ہوتا ہے کہ ان کے خلاف بغاوت اور مزاحمت ہو گی، اس لئے کوشش کی جاتی ہے کہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں دی جائیں تاکہ وہ ان کی حکومت کو تسلیم کر لیں۔

لہٰذا جب کمپنی کا ہندوستان پر تسلط ہو گیا تو ایک تو اس نے بہت سی مغل روایات، قوانین اور اداروں کو باقی رکھا مگر اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے نئی اصلاحات بھی کیں۔

کمپنی کے پاس ایک جانب تو انگریز اور کچھ یورپی عہدے دار تھے۔ دوسری جانب انہوں نے مقامی لوگوں کو بھی ملازمتیں دیں، مگر اس کا خیال رکھا کہ اعلیٰ عہدوں پر انگریز ہی رہیں، اور فوج و سول انتظامیہ کی اس طرح سے ترتیب دی کہ اس میں ہر ملازم اپنے مرتبہ کے لحاظ سے کام کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ ہندوستان کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ''وفاداری'' اور ''نمک خواری'' کے جذبات کو پروان چڑھایا گیا۔

ایک بڑی امپائر کے لئے تربیت یافتہ فوج کا ہونا ضروری تھا۔ ہندوستان میں ایک روایت تو یہ تھی کہ جاگیردار فوج رکھتے تھے اور وقت ضرورت بادشاہ کی اس سے مدد کرتے تھے۔ اس طرح بادشاہ کا انحصار جاگیرداروں کی فوج پر ہوتا تھا۔ دوسرے فوجیوں کی تربیت کا بہت زیادہ بندوبست نہیں تھا۔ انہیں اپنے ہتھیار اور گھوڑے خود لانا ہوتے تھے۔ فوج کو پابندی سے تنخواہ بھی نہیں ملتی تھی، اس لئے وہ لوٹ مار پر زیادہ بھروسہ کرتے تھے۔ ریٹائرمنٹ، پنشن، یا زخمی ہونے کی صورت میں کوئی انتظامات نہیں تھے۔ کمپنی نے اپنی فوج کو اس سے ہٹ کر تشکیل دیا۔ اب فوجیوں کو نئے ہتھیاروں کی تربیت دی جاتی تھی، ان کی یونیفارم ہوتی تھی، تنخواہ پابندی سے ملتی تھی، ریٹائرمنٹ کے بعد پنشن کا رواج تھا، زخمی ہونے کی صورت میں علاج معالجہ ہوتا تھا۔ ان سہولتوں کی وجہ سے ہندوستانی ان کی فوج میں شامل ہوتے چلے گئے۔ یہ فوجی شہروں سے دور کنٹونمنٹ کے علاقوں میں رہتے تھے۔ 1815 میں ہندوستانی فوجیوں کی تعداد دو لاکھ ہو گئی تھی۔

اس فوج کی مدد سے کمپنی اس قابل تھی کہ وہ فتوحات بھی کرے اور اپنے خلاف بغاوتوں کو ختم کر دے۔

سول سرونٹس

سول انتظام کے لئے کمپنی انگلستان سے نوجوان تعلیم یافتہ لوگوں کی تربیت کر کے انہیں ہندوستان لاتی تھی۔ بھرتی کے وقت ان کی عمر 20 سال ہوتی تھی، ان کی مدت ملازمت 30 سال تھی۔ یعنی 50 سال کی عمر میں انہیں ریٹائر کر کے

واپس بھیج دیا جاتا تھا، کیونکہ کمپنی یہ نہیں چاہتی تھی کہ ہندوستان کے لوگ کسی بوڑھے اور کمزور عہدے دار کو دیکھیں۔ ان کی تنخواہیں بہت زیادہ ہوتی تھیں، ساتھ ہی میں انہیں مراعات دی جاتی تھیں، اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ نہ تو بدعنوانی میں ملوث ہوں اور نہ اپنے فرائض میں غفلت برتیں۔

آمدنی کے ذرائع

تجارت اور سیاست نے کمپنی کے ذرائع آمدنی کو بڑھا دیا تھا۔ ان کی آمدنی اب ٹیکسوں اور ریونیو سے ہوتی تھی اس کے بعد تجارت تھی کہ جس میں کچھ چیزوں پر اس نے اپنی اجارہ داری کر لی تھی تاکہ کوئی دوسرا ان کی تجارت نہ کرے۔

ریونیو کے سلسلہ میں تین طریقوں کو اختیار کیا گیا تھا:

1- بنگال میں مستقل طور پر ریونیو کا تعین کر دیا گیا تھا، یہ ''دوامی نظام ریونیو'' کہلاتا تھا۔ یعنی ریونیو کی جو رقم ایک بار مقرر ہو گئی ہے، اب وہ مستقل طور پر رہے گی۔ یہ ریونیو انہیں مقررہ تاریخ پر ہر صورت میں ادا کرنا ہوتا تھا۔

2- مدراس اور بمبئی میں جو طریقہ تھا وہ ''رعیت واڑی'' کہلاتا تھا۔ یہاں جاگیردار کے بجائے براہ راست کسانوں سے ریونیو لیا جاتا تھا۔ ریونیو کی رقم مقرر نہیں تھی، ہر 30 سال بعد اس میں ترمیم ہو سکتی تھی۔

3- شمالی ہندوستان کا نظام ''محال واڑی'' کہلاتا تھا۔ یہاں جاگیر اور کسان کے بجائے ریونیو گاؤں یا جماعت و برادری سے لیا جاتا تھا جو شرکت میں زمین کے مالک ہوتے تھے۔

اس آمدنی کی وجہ سے کمپنی اس قابل ہو گئی کہ وہ فوج اور انتظامیہ کے عہدے داروں کی تنخواہیں اس سے ادا کرے۔ اب اسے ضرورت نہیں تھی کہ انگلستان سے اپنے مالی اخراجات کے لئے ادھار مانگے، بلکہ اسے جو منافع ہو رہا تھا اس سے کمپنی کے ڈارکٹرز اور شیئر ہولڈرز بڑے مطمئن تھے۔

تیسراباب

اصلاحات اور سماجی زندگی

ہندوستان میں کمپنی کی حکومت کے قیام کے بعد، اس میں دو قسم کے خیالات والے لوگ تھے: ایک تو وہ تھے کہ جو ہندوستان کی قدیم تہذیب اور کلچر سے متاثر تھے اور چاہتے تھے کہ اس کو برقرار رکھتے ہوئے یہاں حکومت کی جائے، لیکن دوسرا گروہ وہ تھا جو اس خیال کا حامی تھا کہ ہندوستان ایک پس ماندہ ملک ہے، اس لئے اسے جدید تہذیب سے روشناس کرایا جائے، لیکن ابتدائی دور میں اس جماعت کا غلبہ تھا کہ جو ہندوستان کی تہذیب اور کلچر سے لگاؤ رکھتے تھے، خاص طور سے جب وارن ہسٹنگز گورنر جنرل ہوا تو اس نے خصوصیت سے اس طرف توجہ دی۔

انگریز ہندوستانی ناچ دیکھتے ہوئے

ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال

ہندوستانی علوم کی ترقی کے لئے 1781 میں کلکتہ میں مدرسہ عالیہ قائم کیا گیا، جب کہ 1794 میں بنارس میں سنسکرت کالج کھولا گیا۔ لیکن وارن ہسٹنگز کے زمانے میں اہم کام ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کا قیام ہے جس کی بنیاد 1784 میں رکھی گئی۔ اس کا مقصد ہندوستان کی قدیم تہذیب وتمدن اور کلچر کی دریافت تھا۔ اس سوسائٹی کو قائم کرنے والا ولیم جونز تھا، جو ماہر لسانیات، قانون داں، اور تاریخ وادب کا اسکالر تھا۔

1784 سے 1794 تک وہ زمانہ ہے کہ جب سوسائٹی کا سکریٹری ولیم جونز تھا۔ اس کے زمانہ میں اس بات کی کوشش ہوئی کہ عربی، فارسی، اور سنسکرت کے الفاظ کا صحیح تلفظ متعین کیا جائے۔ اس کے بعد ہندو فلسفہ، ادب، تاریخ، زبان، موسیقی اور ستارہ شناسی پر کتابیں چھاپی گئیں۔ تاریخ میں اشوک، کنشک، اور گپت خاندان پر تحقیق ہوئی۔

سوسائٹی کا دوسرا دور 1794 سے 1815 تک رہا اس میں کولبروک اس کا سکریٹری تھا۔ یہ خود سنسکرت کا عالم تھا، اس نے ہندو قوانین کا مجموعہ تیار کیا۔

تیسرے دور میں ایچ۔ ایچ۔ ولسن (1815-1832) اس کا سکریٹری تھا۔ اس دور میں خاص طور سے تاریخ پر کام ہوا۔ آثار قدیمہ کی دریافتوں، مخطوطات کی اشاعت، اور نئی تحقیق نے ہندوستان کی تاریخ کو زندہ کر دیا، اب تک جو یہ تاثر تھا کہ ہندوستان کی کوئی تاریخ نہیں ہے وہ غلط ثابت ہوا۔

سوسائٹی کا آخری دور جیمس پرنسپ (38-1833) کا تھا۔ اس کا بعد سے سوسائٹی ایک ادارہ بن گئی، اس کی علیحدہ سے عمارت تعمیر ہوئی جس میں لائبریری اور میوزیم کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا تحقیقی جرنل شائع ہونا شروع ہوا، جس میں اسکالرز کی نئی تحقیقات ہوتی تھیں۔

ایشیاٹک سوسائٹی نے جو علمی وادبی کام کئے اس کی وجہ سے اہل ہندوستان میں اپنی شناخت کا جذبہ ابھرا، اور قوم پرستی کے جذبات پیدا ہوئے جن کی مدد سے انہوں نے برطانوی اقتدار کے خلاف مزاحمت کی۔

فورٹ ولیم کالج

ابتداء ہی سے کمپنی کے ملازمین کے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اپنے معاملات کا کس طرح سے اظہار کریں۔ اس وقت انگریزی زبان جاننے والے ہندوستان میں یا تو نہیں تھے یا بہت کم۔ اس لئے یہ لوگ مترجموں کی مدد سے اپنے تجارتی اور سیاسی معاملات طے کیا کرتے تھے۔ ان میں سے جو لوگ یہاں رہ جاتے تھے وہ فارسی سیکھ لیتے تھے، یا ہندوستان کی دوسری زبانوں میں مہارت حاصل کر لیتے تھے۔ لیکن جب کمپنی سیاسی طور پر حکمراں بن گئی تو اس کے لئے یہ

لازمی ہوگیا کہ اس کے ملازمین ہندوستانی زبان سیکھیں۔ اس مقصد کے لئے نوجوان جو انگلستان سے نئے نئے آتے تھے وہ ہندوستانی استادوں کو ملازم رکھ کر ان سے فارسی، عربی، سنسکرت، ہندوستانی اور دوسری مقامی زبانیں سیکھتے تھے تاکہ وہ مترجموں کے محتاج نہیں رہیں اور براہِ راست لوگوں سے ان کی زبان میں بات چیت کرسکیں۔

زبانوں کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے 1800ء گورنر جنرل ویلزلی نے فورٹ ولیم کالج کھولنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے مقاصد میں یہ شامل تھا کہ تعلیم کے ذریعہ مشرقی علوم کو فروغ دیا جائے۔ کالج میں کمپنی کے نوجوان ملازموں کو قانون، تاریخ، جغرافیہ، معاشیات، کیمسٹری، اور فلسفہ پڑھایا جاتا تھا۔ زبانوں میں فرانسیسی کے ساتھ یونانی، لاطینی، سنسکرت، عربی اور فارسی لازمی تھیں۔ ان کے علاوہ ہندوستانی زبانیں بھی نصاب کا حصہ تھیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نصاب کے ذریعہ حکومت کمپنی کے ملازمین کو یورپ اور ہندوستان دونوں تہذیبوں سے روشناس کرانا چاہتی تھی۔

یہاں ہندوستانیوں کو بطور منشی رکھا جاتا تھا۔ کالج میں ہندوستانی یا اردو کا پروفیسر گل کرائسٹ تھا۔ 1802 میں یہاں ہندی زبان کو بھی پڑھانا شروع کیا۔ 1806 میں جب انگلستان میں ہیل بری کالج کھولا گیا کہ جو کمپنی کے ملازموں کی تربیت کرتا تھا تو فورٹ ولیم کو صرف مشرقی زبانوں کے لئے مخصوص کردیا۔

کتابوں کی چھپائی کی غرض سے کالج کا اپنا چھاپہ خانہ تھا، کتابیں ٹائپ میں چھپتی تھیں۔ یہاں سے اردو کی کئی کتابیں چھپیں، اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ سادہ اردو نثر کی ابتداء کالج سے ہوئی۔
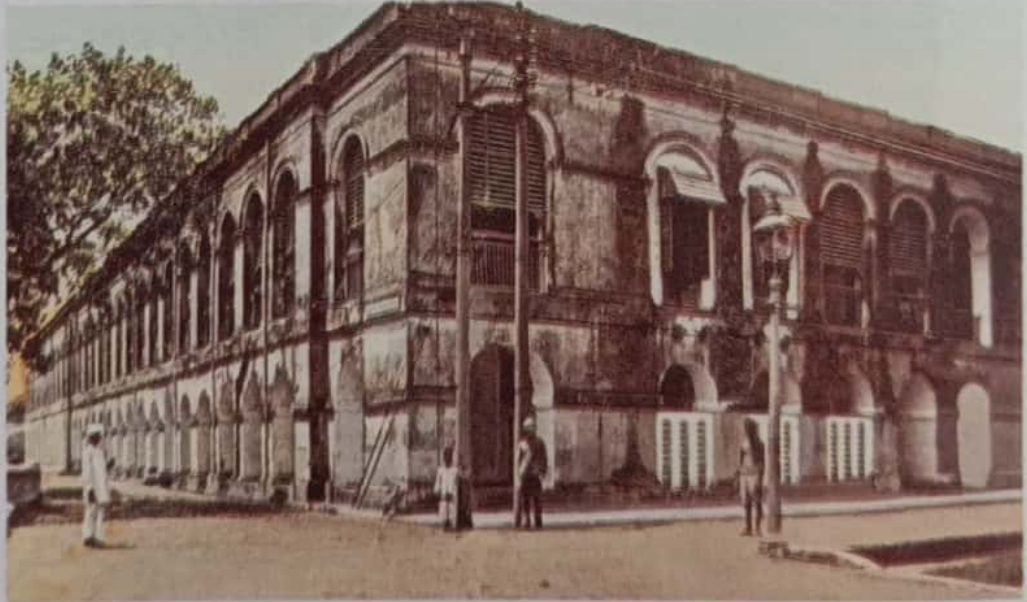
فورٹ ولیم کالج

چھاپہ خانہ اور ٹائپ

ہندوستان میں پہلا ٹائپ تامل زبان کا تھا جسے 1578 میں ایک عیسائی مشنری نے شروع کیا اس کے بعد سیرام پور (بنگال) میں عیسائی مشنریوں نے ہندوستان کی مختلف زبانوں میں ٹائپ روشناس کردیا۔ 1778 میں کلکتہ میں بنگالی زبان کا ٹائپ شروع ہوا۔ سیرام پور میں 1801 سے 1830 تک ہندوستان کی 50 زبانوں میں کتابیں چھاپی گئیں۔

انگریز طالب علم اور ہندوستانی منشی

ہندوستانی اساتذہ جو نوجوان انگریز طلباء یا ملازمین کو مقامی زبانیں پڑھاتے تھے، انہیں استاد کے بجائے منشی کہا جاتا تھا۔ طلباء ان کی عزت نہیں کرتے تھے۔ وہ منشی سے یہ توقع کرتے تھے کہ وہ انہیں سلام کرے، انہیں دیکھ کر بطور ادب کھڑا ہو جائے۔ ایک انگریز طالب علم کا واقعہ ہے کہ جب ہندوستانی استاد اسے دیکھ کر کھڑا نہیں ہوا، تو وہ سخت ناراض ہوا، اور اس کو حکم دیا کہ آئندہ اس کی موجودگی میں وہ کرسی پر نہیں بیٹھے۔ جب استاد نے اس پر احتجاج کیا تو طالب علم نے ہنٹر لے کر اسے دھمکایا اور گالیاں دیں۔
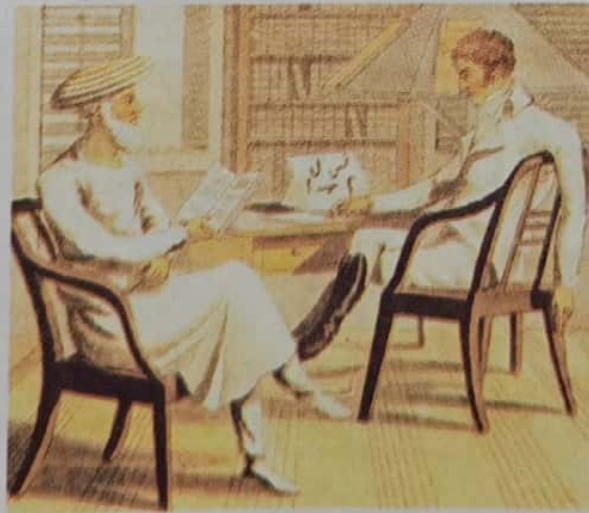
انگریز طالب علم اور ہندوستانی منشی

دلّی کالج

دہلی میں 1792 میں مدرسہ غازی الدین کی ابتداء ہوئی۔ اسی مدرسہ کو 1835 میں دلی کالج بنادیا گیا۔ حکومت نے اپنے تعلیمی فنڈ سے کالج کو انگریزی تعلیم کے لئے کچھ رقم دی۔ لیکن اس وقت تک انگریزی سیکھنے کی مخالفت بہت زیادہ تھی۔ اس وجہ سے سائنسی اور سماجی علوم کی کتابوں کے اردو میں ترجمے ہوئے جن کی تعداد تقریباً 200 تھی۔ کالج کے استادوں میں سے چند اہم لوگ یہ تھے: مولوی امام بخش صہبائی، ماسٹر رام چندر، ماسٹر پیارے لال، اور مولوی ذکاءاللہ۔ یہاں سے جن طلباء نے پڑھا اور مشہور ہوئے ان میں ڈپٹی نذیر احمد، محمد حسین آزاد اور ماسٹر پیارے لال و ماسٹر رام چندر ہیں۔ 1857 میں کالج پر تباہی آئی اس کے پرنسپل کو قتل کر دیا گیا اور کتب خانہ کو لوٹ لیا گیا۔ اگرچہ کالج 1864 میں دوبارہ شروع ہوا، مگر بعد میں اسے ایک مشن اسکول سے ملا دیا۔

دلّی کالج

دلی کالج کا کتب خانہ اور 1857 (11 مئی، پیر کا دن، 1857)

دن کے بارہ بجے کے کچھ دیر بعد کالج کا کتب خانہ لٹنا شروع ہو گیا۔ لٹیرے بڑے بے ڈھب تھے۔ انگریزی کی تمام کتابوں کی خوب صورت سنہری فرموں کی جلدیں پھاڑ دیں اور ورقوں کا کالج کے باغ میں دو دو انچ موٹا فرش بچھا دیا۔ عربی، فارسی، اردو جتنی کتابیں تھیں ان کی گٹھریاں باندھ کر اپنے گھر لے گئے اور پھر کباڑیوں اور مولویوں کے ہاتھ کوڑیوں کے مول فروخت کر دیا۔ (مولوی عبدالحق: مرحوم دہلی کالج)

اہم تاریخیں

1781	مدرسہ عالیہ کلکتہ، فارسی زبان کی تعلیم کے لئے
1794	بنارس میں سنسکرت کالج
1800	فوٹ ولیم کالج
1825	دہلی کالج
1835	لارڈ میکالے کی تعلیمی رپورٹ
1844	سرکاری ملازمین کے لئے انگریزی سیکھنا لازمی ہوگیا

جدید تعلیم

1854 میں ایک تعلیمی رپورٹ تیار کی گئی۔ اس میں پرائمری اسکولوں کی اہمیت پر زور دیا گیا اور یہ تجویز دی گئی یہ اسکول حکومت کی نگرانی میں چلائے جائیں گے۔ جبکہ سکنڈری اسکولوں کے لئے پرائیویٹ جماعتوں سے مدد طلب کی گئی، جنہیں حکومت نے مالی امداد دینے کا وعدہ کیا۔ پروفیشنل علوم کی تربیت کے منصوبے بھی اس میں شامل تھے۔ اس کے تحت رڑکی میں انجینئرنگ کالج قائم کیا گیا۔ بمبئی، مدراس اور کلکتہ میں تین یونیورسٹیوں کے قیام کی تجویز رکھی گئی۔ اس نئی تعلیمی پالیسی اور اداروں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستانی وکیل، ڈاکٹر اور انجینئر سرکاری ملازمت میں آ گئے۔

انگریزی زبان

ہندوستان میں انیسویں صدی کی ابتداء تک انگریزی پڑھنے کو برا سمجھا جاتا تھا۔ اسے محض ملازمت کے لئے ضروری مانتے تھے، مگر یہ خیال تھا کہ اس کے ذریعہ علم حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مولانا حالی نے اس بارے میں لکھا ہے کہ:

> ''اگرچہ اس وقت قدیم دہلی کالج خوب رونق پر تھا، مگر جس سوسائٹی میں، میں نے نشو ونما پائی تھی وہاں علم صرف عربی اور فارسی زبان پر سمجھا جاتا تھا۔''

اس کے برعکس لارڈ میکالے نے اپنی تعلیمی رپورٹ میں کہا کہ مشرقی علوم کا تمام علم یورپ کی زبانوں پر مشتمل کتابوں کی ایک شیلف کے برابر ہے۔ اس کے بعد سے حکومت نے فیصلہ کیا کہ صرف ان اسکولوں کی مالی مدد کی جائے گی کہ جہاں انگریزی ذریعہ تعلیم ہے۔ اس کے بعد فارسی کے بجائے انگریزی سرکاری زبان ہوگئی۔

نئی تبدیلیاں: اخبارات

کمپنی کی حکومت کے دوران ہندوستان میں نئی تبدیلیاں آ رہی تھیں۔ یورپ میں جو ایجادات ہوئیں تھیں اس سے اہل ہندوستان روشناس ہو رہے تھے۔ نئی تبدیلیاں ہمیشہ سماج کو بدلتی ہیں، ان کے اثرات نہ صرف لوگوں کی سوچ پر ہوتا ہے بلکہ اس سے عادات واطوار، رویہ اور بول چال کا انداز بھی بدل جاتا ہے۔

ان میں سے ایک اہم چیز اخبارات کی اشاعت تھی۔ انیسویں صدی میں کمپنی کے شہروں میں اخبارات چھپنا شروع ہو گئے تھے۔ اس کے بعد ہندوستان کے دوسرے شہروں میں اردو، بنگالی اور فارسی میں بھی اخبارات شائع ہونے لگے ان اخبارات کی وجہ سے لوگ دوسرے علاقوں کے حالات سے واقف ہونا شروع ہوئے۔ اب تک یہ اخبارات سیاسی موضوعات پر زیادہ نہیں لکھتے تھے، اس لئے ان کے مضامین سماجی اصلاحات اور تعلیم کے فروغ کے لئے ہوتے تھے۔

ڈاک

اب تک یہ دستور تھا کہ ڈاک کے لئے یا تو "ہرکارے" ہوتے تھے یا امراء اور بادشاہ اپنے خطوط اور فرمان "ڈاک چوکی" کے ذریعہ بھجوایا کرتے تھے۔ عام لوگوں کے لئے خط وکتابت کرنا بہت مشکل تھا۔ کمپنی نے ڈاک کا نیا طریقہ جاری کیا کہ جس میں "آدھا آنا" اور بعد میں "ایک آنا" کا ٹکٹ لگا کر خط کو ملک میں کہیں بھی بھیجا جا سکتا تھا۔ اس ذریعہ نے لوگوں میں خط وکتابت کا شوق پیدا کیا۔ اس سلسلہ میں مرزا غالب کے خطوط بڑے مشہور ہیں۔ جو انہوں نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کو لکھے تھے۔

اس کے ساتھ ہی ٹیلی گرام کی سروس بھی شروع ہوگئی۔ مگر یہ ابتداء میں صرف فوج کے لئے تھی۔

ہرکارا یا ابتدائی دور کا ڈاکیا

انگریز دور کے ڈاک کے ٹکٹ

اہم تاریخیں

1818	بنگالی زبان کا پہلا اخبار ''سماچار درپن'' شائع ہوا
1803	ہندوستان میں پیمائش کا کام شروع ہوا
1778	بنگال میں پہلا چھاپہ خانہ لگایا گیا
1840	ہندوستان میں پہلی مرتبہ کیمرہ آیا
1853	پہلی ٹرین بمبئی سے تھانہ تک چلی
1854	پہلا ٹیلی گرام کلکتہ سے آگرہ بھیجا گیا

کمپنی اور معلومات

1775 سے ہندوستان کی ریاستوں میں ریذیڈنٹ رہا کرتے تھے۔ان کا کام تھا کہ ریاست کے بارے میں ہر قسم کی معلومات کا ریکارڈ رکھیں۔اس مقصد کے تحت سروے کرائے گئے، ملک کے مختلف علاقوں کے نقشے تیار ہوئے، تجارت،کاروبار،اور سیاسی و معاشی معلومات اکٹھی کی گئیں۔سماج کے مختلف پیشوں اور ذاتوں کے بارے میں مواد اکٹھا کیا گیا۔جیسے جیسے کمپنی کا اقتدار پھیلا،اسی طرح سے اس کی معلومات میں بھی اضافہ ہوا۔کمپنی چاہتی تھی کہ یہ معلومات صرف اس تک رہیں،اس لئے اس نے ریاستوں کے درمیان باہمی خط و کتابت بند کرادی۔

اب معلومات کو جمع کرنے اور اس کے استعمال کے لئے کمپنی نے اپنا نظام متعارف کرایا۔اس میں ہرکارے، جاسوس اور مخبر ہوا کرتے تھے۔کمپنی نے ہمسایہ ملکوں میں بھی معلومات کے لئے خفیہ مشن بھیجے،ان میں وسط ایشیا،ایران اور افغانستان شامل تھے۔ایک ایسے ہی مشن پر محمد حسین آزاد کو بھیجا گیا تھا۔

سندھ میں بھی یہ خفیہ مشن آئے،ڈل ہوسٹ ایک شخص کو بھیجا گیا تا کہ وہ سندھ کا سروے کرے۔ان مشنوں کے ذریعہ کمپنی نے پنجاب اور سندھ کے بارے میں اہم سیاسی اور سماجی معلومات اکٹھی کیں۔ہندوستان کے بارے میں جو معلومات اکٹھی کیں،اس کی بنیاد پر انہوں نے ٹھگوں،ڈاکوؤں اور جرائم پیشہ لوگوں کے گروپوں کا پتہ لگا کر ان کا خاتمہ کیا۔

ہندوستان کے پرانے نظامِ معلومات اور علم کے نظام کو تبدیل کر کے کمپنی نے اپنا سسٹم جاری کیا۔1830 میں اس نے ''مفید علوم کی تبلیغ'' کے لئے ایک سوسائٹی بنائی،اس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے عقائد پر حملہ کر کے انہیں ختم کر دیا

جائے تاکہ وہ ذہنی طور پر مغربی علوم سے متاثر ہو کر اس کے تابع ہو جائیں۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ ہندومت اور اسلام غیر عقلی مذاہب ہیں جب کہ عیسائیت کی بنیاد عقلیت پر ہے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے جدید علوم پر چھپنے والی کتابیں انگلستان سے منگوائی جائیں اور انہیں کتابوں کی دوکانوں پر رکھا جائے جہاں سے لوگ انہیں خرید سکیں۔ ہندوستانی معاشرے کی اصلاح کے لئے یورپی کتابوں کے ترجمے کئے گئے۔ اس کے علاوہ تاریخ، طب، جغرافیہ اور دوسرے علوم کی جگہ مغربی علوم کو رائج کیا گیا۔

کمپنی کی حکومت اور اصلاحات

ہندوستان میں ان نئی تبدیلیوں نے پرانی اور نئی روایات کے درمیان کش مکش اور تصادم کو پیدا کیا۔ بدلتے ہوئے ماحول میں ایسے افراد تھے کہ جنہوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ آخر ہندوستان کے سماج میں کون سی خرابیاں ہیں کہ جن کی وجہ سے انگریزوں کی حکومت یہاں قائم ہوئی؟ اور کیا اب نئے حالات میں اپنی روایات کو بدلنا چاہئے یا نہیں؟ خاص طور سے ہندو سماج میں ستی کی رسم اب تک جاری تھی، کمپنی کے ابتدائی دور میں، حکومت نے بھی اسے بند کرنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس سے ہندوؤں میں اشتعال پیدا ہوگا۔ مگر اب ہندوؤں میں کچھ لوگوں کو اس کا احساس ہوا کہ ستی، بیواؤں کی شادی کی مخالفت، بچپن کی شادی، اور تعلیم کی کمی ایسی خرابیاں ہیں کہ جن کی اصلاح ضروری ہے۔

اس سلسلہ میں راجہ رام موہن رائے (1774-1833) نے 1828 میں برہمو سماج کے نام سے ایک اصلاحی تحریک شروع کی، جس نے ذہنی طور پر لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ سماج کی اصلاح کے لئے پرانی رسومات کو ترک کرنا ہوگا۔ اس لئے جب 1829 میں حکومت نے ستی کی رسم پر پابندی لگائی، تو اس کے خلاف زیادہ احتجاج نہیں ہوا۔ 1856 میں بیوہ کی شادی پر سے پابندی ختم کر دی گئی۔ بچپن کی شادی بھی ممنوع قرار پائی۔

انیسویں صدی میں یورپ میں غلامی کے خلاف تحریک اٹھی، اگرچہ ہندوستان میں اس قسم کی غلامی تو نہیں تھی، مگر 1843 میں اسے اور اس کے ساتھ انسانی قربان پر پابندی لگادی گئی۔ ان اصلاحات کے ساتھ ساتھ حکومت نے دوسرے کام بھی کئے جن سے عام لوگوں کو فائدہ ہوا، ان میں آب پاشی کے نظام کو بہتر بنانا، جس میں نہریں نکالی گئیں تاکہ زراعت کو ترقی ہو، گرینڈ ٹرنک روڈ اور دوسری سڑکوں اور شاہراہوں کی تعمیر کرائی گئی۔

ہندوستان میں کمپنی کے عہدے دار اور ملازمین انگلستان میں اٹھنے والی دو تحریکوں سے متاثر ہوئے، ان میں سے ایک مذہبی تحریک تھی جو ایوان جلیکل (Evangelical) کے نام سے تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہندوستانیوں کو عیسائی بنا لیا جائے تو وہ مہذب ہو جائیں گے۔ 1813 سے جب ہندوستان میں عیسائی مشنری آنا شروع ہوئے تو انہوں نے تبلیغ

کے ساتھ ساتھ یہاں اسکول، ہسپتال اور یتیم خانے کھولے تا کہ اپنے مذہبی اثر و رسوخ کو بڑھائیں۔

دوسری تحریک افادیت پسند (Utilitarian) کہلاتی تھی۔ان کے خیال میں اگر ہندوستان میں قانون کی بالادستی ہو، اور ایسے ادارے ہوں کہ جن کی سماج کو ضرورت ہے تو اس صورت میں ہندوستان ترقی کر سکتا ہے۔

ہندوستانی سماج میں تبدیلی نہ صرف کمپنی کی اپنی پالیسیوں کی وجہ سے آ رہی تھی، بلکہ لوگوں میں یہ احساس پیدا ہو رہا تھا کہ پرانی روایات اور رسومات کو تبدیل کیا جائے۔ان دونوں نے مل کر سماج کو آہستہ آہستہ بدلنا شروع کر دیا۔

چوتھا باب

ہندوستان میں کمپنی کی سماجی زندگی

ابتدائی دور میں کمپنی کے جو عہدے دار اور ملازمین ہندوستان میں آئے انہوں نے ہندوستان کے کلچر کو اختیار کر لیا، اگرچہ انہوں نے کچھ اپنی عادات و اطوار کو باقی رکھا۔ اس زمانے میں ہمیں بہت سے ایسے افراد کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ جو مکمل طور پر ہندوستانی ہو گئے تھے۔ انہوں نے یہاں کی عورتوں سے شادی کر لی تھی اور کھانے، پینے، لباس اور عادات و طور طریق میں ہندوستانی کلچر کو اختیار کر لیا تھا۔ چونکہ شروع شروع میں کمپنی کے پاس سیاسی طاقت نہیں تھی، اس لئے اس میں نسلی برتری کا احساس بھی نہیں تھا۔

میجر ولیم اپنی لکھنوی بیوی (بائیں) اور دہلوی بیوی (دائیں) کے ساتھ

ہندوستانی کلچر

ہندوستانی کلچر کو اختیار کرنے کی ایک بڑی وجہ مقامی عورتوں سے شادی تھی۔ پرتگیزیوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے ملازمین کے لئے پرتگال سے عورتیں منگوایا کرتے تھے، جب اس روایت کو انگریزوں نے اختیار کیا تو کمپنی کو احساس ہوا کہ یہ ایک مہنگا طریقہ ہے لہٰذا اس نے ملازمین کو اجازت دیدی کہ وہ مقامی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں۔ شادیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی گھریلو زندگی ہندوستانی ہوگئی۔ تہواروں، تقریبات، رسومات، لباس اور غذا، ان سب میں وہ ہندوستانی رنگ میں رنگ گئے۔

ان کے گھروں میں ہندوستانی کھانوں کا رواج تھا، ابتدائی انگریز لباس کے لحاظ سے بھی ہندوستانی ہو گئے تھے۔ ہندوستانی امراء کی طرح یہ بھی کئی کئی ملازم رکھا کرتے تھے۔ ان ملازمین کی تعداد 30 سے لے کر 100 تک ہوا کرتی تھی۔ ان میں باورچی، مشعل چی، دھوبی، درزی، آیا، گوالہ، سائیس، مالی، بہشتی، بڑھئی، قلی اور چوکیدار ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ کئی نوکر اور سامان اٹھانے والے ہوتے تھے۔

انگریزوں اور ہندوستانیوں کے سماجی تعلقات میں اس وقت تبدیلی آنا شروع ہوئی، جب وہ تجارتی ادارہ سے حکومتی ادارہ بن گئی، اب تک کمپنی کے جو ملازمین آتے تھے ان کا تعلق غریب طبقوں سے ہوتا تھا، اس لئے ان کا مقصد یہاں دولت کمانا ہوتا تھا، سیاسی اقتدار کے بعد آنے والے امراء اور جاگیردار طبقے سے تھے، اب ان کے پاس سیاسی طاقت بھی تھی، جس کی وجہ سے ان میں احساس برتری اور رعونت تھی۔

18 ویں صدی کے آخر میں انگریز عورتوں کی تعداد بڑھ گئی، اب انگریز بیوی گھر کا ماحول بھی اپنے کلچر کے مطابق رکھتی تھی۔

نسلی تعصب

ابتداء میں اینگلو انڈین ان انگریزوں کے بچوں کے لئے بولا جاتا تھا جو ہندوستان میں پیدا ہوتے تھے۔ عام طور سے انہیں تعلیم کے لئے انگلستان بھیج دیا جاتا تھا۔ بعد میں یہ اصطلاح ان بچوں اور لوگوں کے لئے استعمال ہونے لگی جن کے ماں باپ میں سے کوئی ایک ہندوستانی ہو۔ یعنی "دوغلی نسل" کے لئے۔

1791 میں ان پر فوجی اور سول ملازمت کی پابندی لگا دی گئی۔ گورنر جنرل ویلزلی نے ان کا گورنمنٹ ہاؤس کی پارٹیوں میں داخلہ بند کر دیا۔ 1835 میں مقامی عورتوں سے شادی کی ممانعت کر دی گئی۔

کمپنی کے ملازمین اور سماجی سرگرمیاں

سیاسی اقتدار میں آنے کے بعد کمپنی اور مقامی لوگوں کے درمیان دوری ہوتی چلی گئی۔ اب کمپنی کے ملازمین علیٰحدہ آبادیوں میں رہنے لگے، ان میں سے اکثریت چھاؤنیوں میں رہا کرتی تھی جو کہ شہر سے دور ہوا کرتی تھیں۔ یہاں بیرکس تھیں، مکانات تھے، عبادت کے لئے چرچ تھا، خرید و فروخت کے لئے دکانیں تھیں سیر و تفریح اور کھیلوں کے لئے کلب ہوا کرتا تھا۔ مدراس، بمبئی اور کلکتہ میں بڑے کلب تھے، باقی شہروں میں یہ چھوٹے ہوتے تھے۔ یہاں مقامی لوگوں کو آنے کی اجازت نہیں تھی، کھیلوں میں بلیرڈ اور برج مقبول تھے۔ ہندوستانی طرز کا ناچ اور مرغوں کی لڑائی پر پابندی تھی۔

کلب میں عورتیں مردوں سے علیٰحدہ بیٹھتی تھیں۔ چونکہ عورتوں کی تعداد کم ہوتی تھی اور دن بھر کچھ کرنے کو نہیں ہوتا تھا، اس لئے عورتوں کا دن میں کئی بار ملنا اور چائے پینا، گپ شپ کرنا، وقت گزارنے کا طریقہ تھا۔ ان میں سے کچھ مصوری کو وقت گذاری کے لئے اختیار کر لیتی تھیں، کچھ صحافی کے طور پر اخباروں میں لکھتی تھیں، ان میں سے کچھ کی ڈائریاں اور سفرنامے ان کے تاثرات اور مشاہدات کی اچھی نمائندگی کرتے ہیں۔
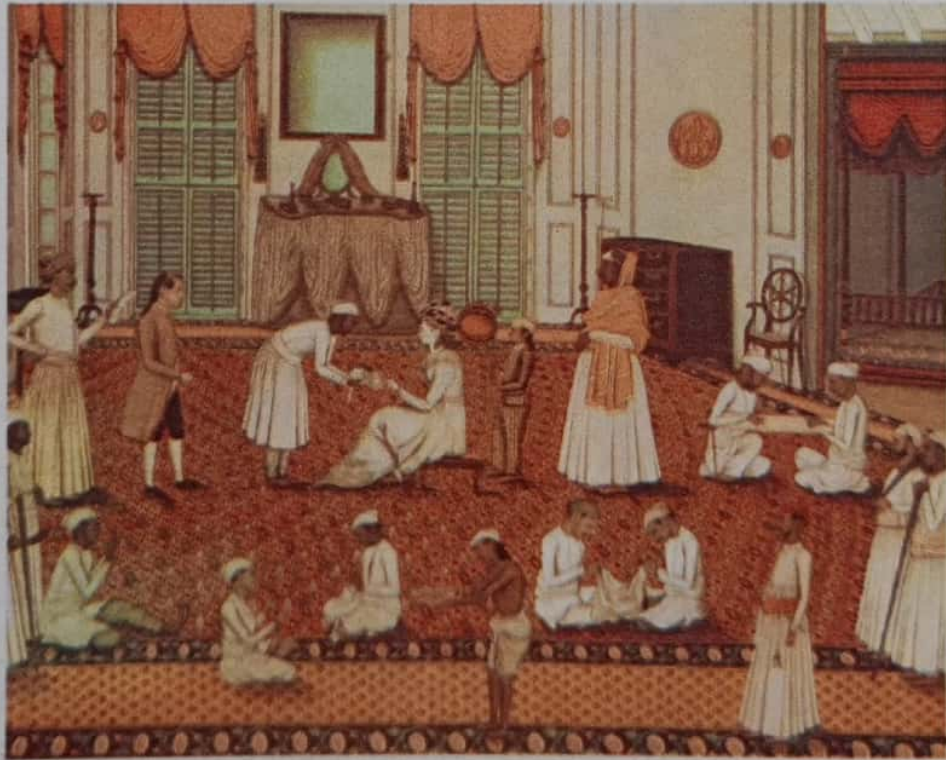
لیڈی امپی اپنے نوکروں کے ساتھ

ان کی روزمرہ کی زندگی ایک خاص انداز کے ساتھ گذرتی تھی۔ صبح 5 بجے سو کر اٹھتے تھے، اس کے بعد تفریح یا سیر کے لئے گھڑ سواری کرتے تھے۔ 6 بجے ''چھوٹا حضوری'' کا ناشتہ ہوتا تھا جس میں چائے اور بسکٹس ہوتے تھے۔ 10 بجے ناشتہ ہوتا تھا اس میں مغز، گردے، چاپ اسٹک اور دوسری کھانے کی چیزیں ہوا کرتی تھیں۔ دوپہر کے کھانے میں مچھلی، ہرن، خرگوش اور تیتر کا گوشت ہوتا تھا۔ لیکن اس قدر غذائیت سے بھرپور کھانے کے بعد سستی آتی تھی اور نیند کا غلبہ ہوتا تھا۔ اس لئے لنچ میں اس کے بعد ''ٹفن'' یعنی ہلکا کھانا ہونے لگا، اور بڑا کھانا شام کو ہو گیا۔

انگریز خاندان ناشتے کی میز پر

انگریز اپنے نوکروں کے ساتھ

کمپنی کے ملازمین کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں بڑی مشکلات تھیں۔ فاصلے بہت زیادہ ہوتے تھے، راستے خراب تھے، سامان بہت زیادہ ہوتا تھا، اس لئے جب کمپنی کا عہدے دار سفر کرتا تھا تو اس کے سامان کو اٹھانے کے لئے 80 قلی ہوتے تھے۔ اس کے ذاتی کاموں اور خدمت کے لئے 10 ملازم ہوتے تھے۔ اس کے ساتھ گائیں ہوتی تھیں تاکہ اسے روزانہ تازہ دودھ ملتا رہے۔ اونٹ اور بیل گاڑیاں ہوتی تھیں، جن میں اس کا سامان لدا ہوتا تھا۔

گھروں میں ملازموں کی تعداد 2 سے لے کر 100 تک ہوتی تھی۔ جب کلکتہ کا گورنر کشتی میں سفر کرتا تھا تو اس کے ساتھ 400 ملازمین ہوا کرتے تھے۔ ہندوستانی ملازموں کے بارے میں تاثر یہ تھا کہ یہ جھوٹے، کاہل اور سست ہوتے ہیں۔ سامان خریدتے وقت پیسہ بچا لیتے ہیں، دکانداروں سے کمیشن لیتے ہیں اور مالک کو دھوکہ دیتے ہیں۔

ملازموں کے ساتھ سختی اور بے رحمانہ سلوک کی جاتا تھا۔ انہیں مارا پیٹا جاتا تھا۔ بعض اوقات بہت ہی سنگدلانہ سلوک بھی کیا جاتا تھا، مثلاً ایک واقعہ میں جب ملازم نے بغیر نوٹس کے ملازمت چھوڑ دی تو اس کے مالک نے اس پر چوری کا الزام لگا کر اسے پھانسی دلوا دی۔ ملازمت کے لئے سفارشی خط کا ہونا بھی ضروری تھا۔ اس صورت میں جب کسی کا تبادلہ ہو

انگریز میاں بیوی اپنے بچے کو آیا کے پاس چھوڑتے ہوئے

جاتا تو اس کا ملازم کبھی کبھی مالک کی طرف سے جعلی سفارشی خط بھی تیار کرا لیتا تھا کہ جس میں اس کے کام اور کردار کی تعریف ہوتی تھی۔

بچوں کی دیکھ بھال کے لئے آیا ہوتی تھی۔ اس کو مناسب تنخواہ دی جاتی تھی، اور اس کا خیال بھی رکھا جاتا تھا کیونکہ یہ بچوں کی نگراں ہوتی تھی۔ لیکن اس سے کہا جاتا تھا کہ وہ مرچیں نہ کھائے اور نہ ہی افیم کا استعمال کرے۔

چونکہ ہندوستان میں سخت گرمی پڑتی تھی، اس لئے کمپنی کے عہدیداروں سے روایتی طریقوں کو اختیار کرتے ہوئے، گھر کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے خس کی ٹٹیاں استعمال کیں۔ گھروں میں تہہ خانے بھی ہوتے تھے کہ جہاں دوپہر کو آرام کرتے تھے۔ باہر جاتے ہوئے ہیٹ لیا کرتے تھے جو سورج سے بچاتا تھا۔ برف کا استعمال بہت کم تھا، ایک مرتبہ ایک امریکی تاجر نے 180 ٹن برف بھیجی، نیوانگلینڈ سے کلکتہ آتے آتے 4 مہینے کا عرصہ لگا۔ اس میں سے 60 ٹن راستہ میں پگھل گئی۔ 20 ٹن پہنچتے پہنچتے پگھل گئی۔ باقی جو بچی اسے بازار میں فروخت کیا گیا۔

کمپنی کے عہدے داروں میں اپنے مرتبہ اور عہدے کا بڑا احساس تھا۔ اس لئے ایک دوسرے سے ملنے اور پارٹیوں میں آداب کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اگر گورنر ڈنر میں بلاتا، اس بات کا اہتمام کیا جاتا تھا کہ کھانے کی میز پر کون کس جگہ بیٹھے گا۔ محفل کے ان ادب آداب میں عہدے و مرتبہ کا خیال رکھا جاتا تھا۔

کھیل و تفریحات

روزمرہ کی زندگی میں کھیل اور تفریح اہم تھی۔ کھیلوں میں شطرنج، جس کے مہرے ہاتھی دانت کے ہوتے تھے، کمپنی کے مہرے سفید رنگ اور مخالف کے سرخ رنگ کے ہوا کرتے تھے۔ تاش میں برج مقبول تھا۔ شام کے وقت دستور تھا کہ مل کر کھانا کھائیں، حقہ پئیں اور حالات حاضرہ پر تبصرہ کریں۔

شطرنج اور مہرے

کرکٹ کا کھیل انگریز اپنے ساتھ لائے تھے۔ پہلا کرکٹ کا میچ ہندوستان میں 1721 میں کھیلا گیا تھا۔ 1797 میں کرکٹ کلب بنایا گیا۔ 1820 کی دہائی میں بمبئی کے پارسیوں نے اورنٹیل کرکٹ کلب قائم کیا۔ اس کے بعد سے پارسیوں اور انگریزوں کے درمیان یہ کھیلا جانے لگا۔ آہستہ آہستہ یہ ہندوستانیوں میں بھی مقبول ہو گیا۔

کرکٹ کے بعد جو کھیل کھیلے جاتے تھے ان میں پولو تھا، 1840 منی پور میں پہلا پولو کلب قائم ہوا۔ یورپ میں پولو کلب 1859 میں شروع ہوا۔ لیکن یہ کھیل خاص طبقہ تک محدود رہا۔

1829 میں کلکتہ میں رائل گولف کلب کی بنیاد پڑی۔ اس کے علاوہ ٹینس اور بیڈمنٹن بھی کھیلے جاتے تھے۔

جم خانہ، گیند خانہ سے نکلا ہے۔ یہ بھی کھیلوں اور تفریح کی جگہ ہوتی تھی۔ سب سے پہلے جم خانہ 1860 کی دہائی میں بمبئی میں قائم ہوا۔

شکار کھیلنا اچھی تفریح تھی، کیونکہ اس سے نہ صرف شکار کا گوشت مل جاتا تھا، بلکہ اچھی ورزش بھی ہو جاتی تھی، شیریا

چیتے کا شکار کسی بھی انگریز کے لئے عزت کی بات تھی۔ ان کے گھروں میں ان کی کھالیں اس بات کی علامت تھی کہ انہوں نے یہ شکار کیا ہے، حالانکہ شیر یا چیتے کا یہ شکار ہاتھی پر بیٹھ کر بندوق سے کرتے تھے۔

کتوں کے ساتھ شکار کرنا انگلستان کا طریقہ تھا۔

اس کے علاوہ تفریح میں گھوڑوں کی ریس ہوا کرتی تھی، اس مقصد کے لئے ہر شہر میں ریس کورس ہوا کرتے تھے۔

انگریز شکار کھیلتے ہوئے

بیماریاں

ہندوستان کی ہر علاقے کی آب وہوا میں مختلف قسم کی بیماریاں پیدا ہوتی تھیں۔ جہاں مچھروں کی کثرت ہوتی تھی وہاں ملیریا ہوتا تھا۔ ٹائی فائڈ، اور ہیضہ کی بیماریاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ بچھو اور سانپ کے کاٹنے کی وارداتیں بھی ہو جاتی تھیں۔ ابتدائی دور میں بیماریوں کا علاج جڑی بوٹیوں سے ہوتا تھا۔ بعد میں ڈاکٹر آ گئے اور اب علاج جدید دواؤں سے ہونے لگا۔

چرچ

کمپنی کے ملازمین کے مذہب کا تحفظ کرنے کے لئے مدراس، بمبئی، اور کلکتہ کے علاوہ دوسرے شہروں میں بھی چرچ تعمیر کرائے گئے جہاں اتوار کو باقاعدہ سروس ہوا کرتی تھی۔ شادی بیاہ، اور موت کے وقت بھی چرچ کی خدمات لی جاتی

تھیں۔ 1813 میں جب ہندوستان میں مشنریوں کو آنے اور تبلیغ کی اجازت ملی تو کمپنی کے بہت سے عہدیداران کی مدد کرنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہندوستانی عیسائی ہو گئے تو اس صورت میں ان پر حکومت کرنا اور آسان ہوگا۔ لیکن تبلیغ کے سلسلہ میں مشنریوں کو زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔

کراچی میں انگریز دور کا بنا ہوا چرچ

پانچواں باب

کمپنی: بغاوتیں اور 1857 کی جنگ آزادی

کمپنی کی حکومت کے دوران جونئی تبدیلیاں آئیں انہوں نے سماج میں جو بے چینی اور بے یقینی کو پیدا کیا، اس کی وجہ سے اندر ہی اندر لوگوں میں کمپنی کے خلاف جذبات ابھرنے لگے۔ کمپنی کی سماجی اصلاحات سے وہ لوگ قطعی مطمئن نہیں تھے جو کہ قدیم روایات کو مستقل باقی رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن جس چیز نے لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کیا، وہ معاشی وجوہات تھیں۔ انگلستان کے صنعتی انقلاب نے ہندوستان کی صنعتوں کو ختم کر کے رکھ دیا، خاص طور سے کپڑے کی صنعت بے انتہا متاثر ہوئی۔ جولاہے جو اس پیشہ سے صدیوں سے منسلک تھے وہ بے روزگار ہو کر ان مزدوروں میں شامل ہو گئے کہ جو کوئی ہنر نہیں جانتے تھے۔ کمپنی نے ہندوستان میں جو فیکٹریاں قائم کیں، اب ہندوستانی کاریگر ان میں ملازم ہو کر اپنی آزادی اور پیشہ ورانہ مہارت کو کھو بیٹھے۔ تاجر طبقہ جو اب تک خوش حال تھا، کمپنی کی حکومت میں اس کی تجارت یا تو ختم ہو گئی یا بہت کم ہو گئی۔

لیکن سب سے زیادہ استحصال ہونے والا طبقہ کسانوں کا تھا۔ ہندوستان کی اکثریت دیہاتوں میں رہتی تھی، اب ریونیو کے نئے نظام میں ان پر پہلے سے زیادہ سختی کی گئی۔ جس نے انہیں غربت و افلاس میں دھکیل دیا۔ چونکہ کمپنی کو دیوانی یا ریونیو وصول کرنے کا حق بنگال میں ملا تھا، اس لئے یہاں 1764 سے 1793 تک کسانوں کی کئی بغاوتیں ہوئیں، جنہیں بے رحمی سے کچل دیا گیا۔

کسانوں کی بغاوتیں

بنگال اور بہار میں سنیاسیوں یا ہندو سادھوؤں کی بغاوت ہوئی، انہوں نے گاؤں گاؤں جا کر کسانوں کو کمپنی کی

حکومت کے خلاف کیا، جیسا کہ دستور ہے کمپنی کی حکومت نے، جس کا گورنر جنرل اس وقت وارن ہسٹنگز تھا، ان لوگوں کو شر پسند اور لٹیرا کہا۔ بغاوت کو کچل دیا گیا۔

بنگال میں میدنی پور اور میمن سنگھ کے کسانوں نے حکومت کی ان پابندیوں کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے بغاوت کی جن میں ان پر سلک بنانے پر پابندی لگادی تھی۔ ان لوگوں پر بھی ٹیکس لگایا کہ جو جنگلوں میں رہتے تھے اور کبھی ٹیکس کے نام سے واقف ہی نہیں تھے۔ میمن سنگھ کے کسانوں سے زبردستی بیگار لی جاتی تھی۔ ان سے بیگار میں اس سڑک کی تعمیر کے لئے کام کرایا کہ جو بنگال سے برما تک جاتی تھی۔

جب انہوں نے بغاوت کی تو حکومت نے باغیوں کو سخت سزائیں دے کر بغاوت کا خاتمہ کردیا۔

کمپنی نے بنگال میں ان فصلوں کو فروغ دیا کہ جو ان کی تجارت کے لئے منافع بخش تھیں، مگر جن سے کسانوں کو فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ ان فصلوں میں نیل، پٹ سن، اور افیم تھیں۔ جب کسانوں کو ان فصلوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوا اور وہ ساہوکاروں کے قرضے میں جکڑ گئے۔ اس وجہ سے انہوں نے بار بار بغاوتیں کیں، مگر حکومت کے آگے یہ کچھ نہیں کر سکے۔

ان بغاوتوں کے علاوہ کمپنی کے مقبوضات میں اور بھی ہنگامے ہوئے۔ لیکن کسان چونکہ نہتے ہوتے تھے، ان کی تعداد مختصر ہوتی تھی اس لئے یہ حکومت کی فوج کے آگے نہیں ٹھہر سکے اور ان کی ہر بغاوت ناکام ہوئی، مگر اس سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ ہندوستان کے لوگوں میں ناانصافی کے خلاف مزاحمت کرنے کا شعور تھا۔ اس لئے آگے چل کر انگریزوں کے خلاف جو جدوجہد ہوئی اس کی بنیاد ان ہی نہتے کسانوں نے رکھی تھی۔

1857ء کی جنگ آزادی

1857ء کی وجوہات سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی تھیں۔ کمپنی کی اصلاحات اور پالیسیوں کی وجہ سے سماج کے مختلف طبقوں میں ناراضگی بڑھ رہی تھی۔ ان حالات میں ایک وہ وقت آتا ہے کہ جب کوئی معمولی حادثہ بغاوت شورش یا ہنگامہ کو جنم دے دیتا ہے۔ اول تو ہندوستان کے لوگ نئی تبدیلیوں سے بدظن تھے مثلاً

1- اگر کسی سڑک کو بناتے وقت مندر اور مسجد کو گرادیا جاتا تو اس سے لوگوں کے مذہبی جذبات مجروح ہوجاتے تھے۔
2- ہسپتالوں میں عورتوں کی بے پردگی پر احتجاج کیا جاتا تھا۔
3- ذات پات کا نظام اس وقت متاثر ہونا شروع ہوا کہ جب ہسپتالوں میں ہر ذات کے مریض ایک ہی وارڈ میں رکھے جانے لگے۔ یا ریلوے کے ایک ہی ڈبے میں سب ساتھ بیٹھنے لگے۔
4- ستی کے خاتمہ، اور بیوہ کی شادی کی اجازت نے برہمنوں اور مذہبی لوگوں کو ناراض کیا۔

5- لڑکیوں کی تعلیم کے لئے اسکول کھولے گئے تو اسے برا سمجھا گیا۔

6- جب حکومت نے لوگوں کی جاگیروں اور زمینوں کو ضبط کیا تو اس سے جاگیردار طبقہ ناراض ہو گیا۔

7- ڈلہوزی نے جب الحاق کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے ریاستوں پر قبضہ شروع کیا تو اس سے والیان ریاست میں بے چینی پھیل گئی۔

8- فوجی اصلاحات نے سپاہیوں میں بے اطمینانی پیدا کی۔ جن میں انگریزی فیشن کی طرح حجامت بنوانا، داڑھی منڈوانا، تلک اور کانوں میں بالیاں پہننے کی پابندی، پگڑی کی جگہ ٹوپی کا استعمال، خاص طور سے ایسی ٹوپی کہ جس میں چمڑا لگا ہو۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی چربی لگے کارتوس تھے۔ اس سے سپاہیوں میں یہ تاثر ابھرا کہ کمپنی ان کا مذہب خراب کرنا چاہتی ہے۔

9- ان وجوہات کے ساتھ ساتھ جب مختلف علاقوں میں قحط پڑے تو کسی قسم کی سہولت نہیں دی گئی، لگان یا ریونیو کی وصولی میں سختی کی گئی، مہنگائی نے لوگوں کی قوت خرید کم کر دی۔ زمیندار اور تعلقدار بھی اپنی مراعات کھونے کے بعد مخالفین میں شامل ہو گئے۔

غدر، شورش یا جنگ آزادی

انگریز اور یورپی مورخ اسے غدر یا میوٹنی (Mutiny) کہتے ہیں۔ کچھ اسے سپاہیوں کی بغاوت کہتے ہیں، لیکن ہندوستان کے اکثر مورخ اس کو پہلی جنگ آزادی سے موسوم کرتے ہیں۔

1857 کی جنگ تین علاقوں میں لڑی گئیں: دہلی اور اس کے نواح یا قریبی علاقوں میں، صوبہ آگرہ اور اودھ میں، اور وسطی ہندوستان میں۔ بنگال، مدراس، بمبئی، پنجاب، سندھ، راجپوتانہ اور ہندوستانی ریاستوں میں بغاوتیں نہیں ہوئیں۔ جن افراد نے اس جنگ میں حصہ لیا ان میں نانا صاحب، جھانسی کی رانی، حضرت محل، تانتیا ٹوپی، بخت خاں اور مولوی احمد اللہ تھے۔ 1857 کی یہ جنگ ناکام ہوئی، اس کی بہت سی وجوہات تھیں۔

1- ہندوستانی فوجیوں میں ڈسپلن نہیں تھا، نہ ہی ان کے پاس تجربہ کار جنرل تھے۔

2- اسلحہ کی کمی تھی۔

3- ایک دوسرے سے رابطہ نہیں تھا۔

4- اس وقت تک قوم پرستی کا جذبہ نہیں تھا۔ اس لئے کمپنی کی فوج کے اکثر سپاہی وفادار رہے اور اپنے ہم قوموں سے لڑے۔

5- مخبروں اور غداروں نے انگریزوں کو خبریں پہنچائیں۔

سر سید کا رسالہ اسباب بغاوت ہند

سر سید احمد خاں

سر سید احمد خاں نے 1857 کے ہنگامہ کو دیکھا تھا، جب یہ ختم ہوا تو انہوں نے اس کے اسباب پر ایک رسالہ لکھا۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ:

''بلاشبہ تمام رعایا ہندوستان کی اس بات کی شاکی ہے کہ یہاں گورنمنٹ نے ان کو نہایت بے قدر بے وقار کر دیا ہے۔ ہندوستان کے اشراف آدمی کی ایک چھوٹے سے یورپین کے سامنے ایسی بھی قدر نہیں جیسی کہ ایک چھوٹے یورپین کی ایک بڑے ڈیوک کے سامنے ہو۔ یوں تصور کیا جاتا تھا کہ ہندوستان میں کوئی جنٹلمین نہیں ہے..... اکثر حکام کی طبیعتوں میں غرور اور تکبر ہے۔ تمام ہندوستانیوں کو ان کی آنکھوں میں ناچیز کر دیا ہے۔ کیا ان کی بدمزاجی اور بے پروائی نے ہندوستانیوں کے دل میں جا دہشت نہیں ڈالی ہے؟''

اہلِ ہند علی الخصوص مسلمانوں کی ناراضگی کا بڑا سبب یہ تھا کہ اعلیٰ عہدہ جات پر ترقی بہت کم تھی۔

اسی عرصہ میں عیسائی مشنری تبلیغ کر رہے تھے کہ ہندوستان کے لوگوں کو عیسائی بنا لیا جائے۔ اس سلسلہ میں سر سید نے پادری ایڈمنڈ کی ایک چٹھی کا ذکر کیا ہے، جس میں اس نے لکھا کہ:

''پس مذہب عیسوی ہی ایسا مذہب ہے جو خدا کے پاس سے براہِ راست الہام کے ذریعہ سے آنے کا دعویٰ کرتا ہے اور یہی ایسا مذہب ہے جس سے اس دنیا میں اور دوسری دنیا میں...... خوشی حاصل ہو سکتی ہے..... چونکہ ہم نے خود اس سے نہایت برکتیں حاصل کی ہیں اس لئے چاہتے ہیں کہ اور لوگوں کو بھی ان کے حاصل کرنے کی ترغیب دی جائے۔''

جب انگریزوں کو فتح ہوئی تو انہوں نے لوگوں پر سخت مظالم کئے۔ جگہ جگہ ذرا سے شبہ پر پھانسیاں دی گئیں، توپ سے باندھ کر اڑا دیا گیا، مغل شاہی خاندان کے لوگوں کو قتل کیا گیا، بہادر شاہ ظفر پر غداری کا مقدمہ چلا کر انہیں رنگون جلاوطن کر دیا۔ جو لیڈر گرفتار ہوئے انہیں فوراً پھانسی دیدی گئی۔ حضرت محل اور نانا صاحب بھاگ کر نیپال چلے گئے اور وہیں دونوں نے وفات پائی۔

اگرچہ انگریزوں کے ظلم وستم کے بارے میں کسی کو لکھنے یا کہنے کی اجازت نہیں تھی۔ مگر پھر بھی غالب کے خطوط میں دہلی کی تباہی کے تذکرے مل جاتے ہیں۔

غالب اور 1857 کے بعد کی دہلی

"دلی کی ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر تھی، قلعہ، چاندنی چوک، ہر روز مجمع جامع مسجد کا، ہر ہفتہ سیر جمنا کے پل کی ہر سال میلہ پھول والوں کا۔ یہ پانچوں باتیں اب نہیں۔ پھر کہو دلّی کہاں؟ ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا۔"

(مجروح کے نام ایک خط)

کل تمہارے خط میں دو بار یہ جملہ مرقوم دیکھا کہ دلّی بڑا شہر ہے، ہر قسم کے آدمی وہاں بہت ہوں گے۔ اے میری جان یہ وہ دلّی نہیں ہے جس میں تم پیدا ہوئے ہو۔ یہ وہ دلی نہیں جس میں تم نے علم تحصیل کیا۔ یہ وہ دلّی نہیں ہے جس میں تم مجھ سے پڑھنے آیا کرتے تھے۔ یہ وہ دلّی نہیں ہے کہ جس میں سات برس کی عمر سے آتا جاتا ہوں۔ یہ وہ دلّی نہیں ہے جس میں اکیاون برس سے مقیم ہو۔ یہ ایک کیمپ ہے۔

(خط بنام علائی)

کئی لشکروں کا حملہ پے در پے اس شہر دہلی پر ہوا۔ پہلا باغیوں کا لشکر اس میں اہل شہر کا اعتبار لٹا، دوسرا لشکر خاکیوں کا، اس میں جان و مال و ناموس، مکان و مکین و آسمان وزمین وآثار ہستی سراسر لٹ گئے۔

(خط بنام نورالدین شفق)

مرزا غالب

لکھنؤ غدر کے بعد

لکھنؤ غدر سے پہلے

ظہیر دہلوی کی داستان غدر

ظہیر دہلوی بہادر شاہ ظفر کے دربار میں ملازم تھے۔ انہوں نے 1857 سے پہلے اور بعد کے واقعات کا حال اپنی کتاب "داستانِ غدر" میں لکھا ہے۔ جب انگریزی فوج کا دہلی پر قبضہ ہوتا ہے تو پورے شہر کو خالی کرا لیا جاتا ہے۔ فوج کی لوٹ مار، قتل و غارت گری اور شہر کی تباہی کا حال اس کتاب میں ہے۔

"کئی اشخاص باکمال نام آور مارے گئے، جو دلی کی ناک اور یگانہ آفاق تھے۔ جن کی نظیر آج تک پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ ہوگا۔ میاں محمد امیر پنجہ کش خوشنویس جن کا ثانی روئے زمین پر نہیں۔ مولوی امام بخش صہبائی اور ان کے دو بیٹے اور میر نیاز علی واقعہ خواں اور چیلوں کے کوچے کے اور بہت سے شریف خاندانی لوگ۔ سنا گیا ہے کہ اس محلہ کے چودہ سو آدمی گرفتار کر کے راجگھاٹ کے دروازے سے دریا پار لے جا کر بندوقوں کی باڑیں ماردی گئیں اور لاشیں دریا میں پھینکوا دی گئیں۔ عورات کا یہ حال ہوا کہ گھروں میں سے نکل نکل کر بچوں سمیت کنوؤں میں جا گریں، چیلوں کے کوچہ کے تمام کنویں لاشوں سے پٹ گئے تھے۔ آگے میرا قلم نہیں چل سکتا۔ نہ مجھے اس تحریر کی تاب ہے جو کچھ سنا گیا...... باقی اضلاع شہر کا یہ حال ہوا کہ عورات اور مردوں کو شہر سے نکالا گیا تو اس طرح کہ مردوں کو تو کشمیری دروازے سے باہر کیا اور عورات کو کابلی دروازے کی راہ سے شہر بدر کیا کہ باہمی رفاقت ہوگئی۔ ایک ایک کو ڈھونڈا پھرا۔ غرض جب زن مرد شہر سے باہر ہو گئے تو اب مخبری کا بازار گرم ہوا اور وہی بدمعاش جو نمک حراموں (باغیوں) کے ہمراہ ہو کر انگریزوں کو بتاتے پھرتے تھے اور شہر کو لٹواتے تھے۔ اب سرکاری مخبری اور شہر والوں کو پھانسیاں دلوانے لگے۔ دو روپیہ آدمی پیچھے مخبری کا صلہ ملتا تھا۔

1857ء کی اہم تاریخیں

29مارچ،1857	چربی والے کارتوس کے استعمال کے خلاف منگل پانڈے کی بغاوت
10 مئی،1857	میرٹھ میں سپاہیوں کی بغاوت اور دہلی کی طرف مارچ
11 مئی،1857	دہلی پر باغی سپاہیوں کا قبضہ
30 مئی،1857	لکھنو میں بغاوت
4جون،1857	بنارس اور کانپور میں بغاوت
9جولائی،1857	لکھنو میں انگریز ریذیڈنسی کا محاصرہ
20 ستمبر،1857	انگریزوں کا دہلی پر قبضہ
22مارچ،1858	لکھنو پر انگریزوں کا قبضہ
21جون،1858	جھانسی کی رانی کی شہادت
21 مئی،1858	باغیوں کا نیپال میں پناہ لینا

بہادر شاہ ظفر

بہادر شاہ ظفر

بہادر شاہ دوم، ظفر تخلص، آخری مغل بادشاہ تھے جو 1857 میں بادشاہ بنے اور 1858 میں ان کی بادشاہت کا خاتمہ ہوا۔ اگرچہ وہ برائے نام بادشاہ تھے، مگر ہندوستان کے لوگوں کے دلوں میں ان کے لئے عزت واحترام تھا۔ اسی لئے میرٹھ میں بغاوت کے بعد فوجی دہلی آئے اور ان سے اپنی وفاداری کا اعلان کیا۔ اگرچہ سیاسی طاقت تو ختم ہوگئی تھی، مگر علم وادب وآرٹ کی سرپرستی مغل دربار سے جاری تھی۔ یہ خود بھی اردو کے اچھے شاعر تھے اور ان کے دربار میں ذوق و غالب جیسے اساتذہ رہے۔ جب انگریزوں کا دہلی پر قبضہ ہوگیا تو بہادر شاہ ظفر پر غداری کا مقدمہ چلایا گیا اور انہیں رنگون جلاوطن کر دیا گیا، جہاں 1862 میں ان کا انتقال ہوا۔

1857ء کے بارے میں نظریات

1857 کے واقعہ کو کمپنی کی حکومت نے غدر کہا، اور جن لوگوں نے اس کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے وہ باغی کہلائے۔ جب تک انگریزوں کی حکومت قائم رہی، اس کو غدر ہی کہا جاتا رہا، مگر اب اس پر سوال اٹھایا جا رہا ہے کہ کیا کمپنی کی حکومت جائز تھی؟ کیونکہ اس نے ہندوستان پر طاقت کے زور پر قبضہ کیا تھا، اور اس کی حکومت کا جائز ہونا کسی بھی طرح صحیح نہیں تھا، کیونکہ کمپنی آخری وقت تک مغل بادشاہ کو تسلیم کرتی رہی تھی اور اس کی حیثیت وہی تھی جو مغل سلطنت میں دوسرے ریاستی حکمرانوں کی تھی۔ بہادر شاہ ظفر جو کہ ملک کا جائز اور قانونی بادشاہ تھا اس پر غداری کا مقدمہ چلانا بھی سیاسی اصول کے خلاف تھا، مگر تاریخ میں فیصلے اخلاقیات کی بنیاد پر نہیں ہوتے ہیں، بلکہ طاقت کے زور پر ہوتے ہیں۔

اوّل 1857 کا ہنگامہ کمپنی کی حکومت کے لئے حیرت کا باعث تھا، اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے خلاف اندر ہی اندر لوگوں میں جذبات ابھر رہے ہیں۔ وہ میرٹھ میں سپاہیوں کی بغاوت کو بھی محض ایک حادثہ سمجھے۔ لیکن جب ہنگامہ کا خاتمہ ہوا، تو حکومت نے سوچا کہ اس پورے ہنگامہ کی تحقیق کی جائے۔ اس تحقیق کے جو نتائج سامنے آئے وہ یہ تھے:

1- ایک خیال یہ تھا کہ چونکہ کمپنی نے نوابوں، حکمرانوں، اور امراء کی مراعات ختم کر دیں تھیں اس لئے وہ کمپنی کے خلاف ہوئے۔ مذہبی طبقہ کے لوگ کہ جن کی سرپرستی دربار کی جانب سے ہوتی تھی، وہ اس سے محروم ہوگئے۔ کسانوں نے اس لئے بغاوت میں حصہ لیا کیونکہ ریونیو کی نئی پالیسیوں نے ان پر بہت زیادہ مالی بوجھ ڈال دیا تھا۔

2- کچھ مورخوں نے اسے محض سازش قرار دیا کہ جس میں نانا صاحب، جھانسی کی رانی، اور حضرت محل وغیرہ شامل تھے، ورنہ ہندوستان کے عوام انگریزی حکومت کے خلاف نہیں تھے۔

3- ایک تیسرے نقطۂ نظر میں کہا گیا کہ ہندوستانی عوام کی اکثریت انگریزوں سے خوش تھی۔ ہنگامہ کے ذمہ دار دراصل مسلمان امراء تھے کہ جنہوں نے لوگوں کو بھڑکایا اور حکومت کے خلاف کیا، مسلمانوں کی اس سازش میں بعد میں ہندو بھی شامل ہوگئے۔

برطانوی مورخوں کے برعکس ہندوستانی مورخوں نے 1857 کو ایک اور انداز میں دیکھا، 1900ء میں ڈی۔ وی ساورکر نے ''ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی'' پر کتاب لکھی۔ اس میں جنگ میں لڑنے والوں کو ہیرو کا درجہ دیا گیا ہے، اور یہ کہ اس جنگ میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر حصہ لیا۔

اب ہندوستانی مورخ 1857 کو جنگ آزادی کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔

چھٹا باب

ہندوستان اور تاج برطانیہ

1857 نے ہندوستان کی تاریخ کو بدل کر رکھ دیا۔ اس کے بعد ایک جانب تو مغل بادشاہت کا خاتمہ ہوا، تو دوسری جانب کمپنی کی حکومت بھی اپنے انجام کو پہنچی اور ہندوستان کو تاج برطانیہ کے ماتحت کر کے اس کے انتظام کے لئے نئے اصول وقوانین بنائے گئے۔

1857 کے بعد کمپنی نے جو قتل وغارتگری کی تھی، خصوصیت سے دہلی اور لکھنو میں لوگوں کا قتل عام کیا تھا، ان حالات میں لوگوں میں بے اطمینانی، پریشانی اور بے یقینی کی کیفیت تھی۔ ہزاروں خاندان در بدر مارے مارے پھر رہے تھے۔ حکومت کے جاسوس اور مخبر بغاوت کے الزام میں لوگوں کو گرفتار کر رہے تھے۔ اس لئے ملکہ وکٹوریہ نے اپنی ہندوستانی رعایا کے لئے یکم نومبر 1858 کو یہ اعلان جاری کیا۔

تاج برطانیہ

ملکہ وکٹوریہ کا اعلان

کمپنی کا راج اب ختم ہوا، اس کی جگہ حکومتِ ہندوستان کی باگ ہم نے اپنے ہاتھوں میں لے لی ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ہماری انگریزی رعایا کے قتل میں حصہ لینے کے مجرم ہیں، باقی جو لوگ بھی ہتھیار رکھ دیں گے ان سب کو معاف کر دیا جائے گا۔ ہندوستانیوں کی گود لینے کی رسم آئندہ سے جائز سمجھی جائے گی اور گود لئے لڑکے کو باپ کی جائیداد اور گدی کا مالک مانا جائے گا۔ کسی کے مذہبی عقیدوں، یا مذہبی رسم و رواج میں کسی طرح کی مداخلت نہ کی جائے گی۔ ہندوستان والیان ریاست کے ساتھ کمپنی نے اس وقت تک جتنے عہد نامے کئے ہیں ان کی سب شرطوں پر آئندہ ایمانداری کے ساتھ عمل درآمد کیا جائے گا۔ اس کے بعد کسی ہندوستانی رئیس کی ریاست یا اس کا کوئی حق نہ چھینا جائے گا۔

ملکہ وکٹوریہ

اس کے جواب میں بیگم حضرت محل کہ جنہوں نے اودھ میں جنگ لڑی تھی، یہ جواب دیا:

بیگم حضرت محل

اس اعلان میں لکھا ہے کہ کمپنی نے جو وعدے اور عہد و پیمان کئے ہیں، ملکہ انہیں منظور کرے گی۔ لوگوں کو چاہئے کہ وہ اس چال کو غور سے دیکھ لیں۔ کمپنی نے سارے ہندوستان پر قبضہ کرلیا ہے...... کمپنی نے بھرت پور کے راجہ کو پہلے اپنا بیٹا بنایا پھر اس کا علاقہ لے لیا۔ لاہور کے راجا کو وہ لندن لے گئے اور پھر کبھی اسے ہندوستان نہیں لوٹنے دیا۔ نواب شمس الدین خان کو ایک طرف انہوں نے پھانسی پر لٹکا دیا، دوسری طرف اسے سلام کیا۔ پیشوا کو انہوں نے پونا اور ستارا سے نکال دیا اور زندگی بھر کے لئے بٹھور میں قید کر دیا۔ بنارس کے راجہ کو انہوں نے آگرہ میں قید کر دیا۔ بہار، بنگال اور اڑیسہ کے راجاؤں کا انہوں نے نام و نشان تک نہ چھوڑا، خود ہمارے قدیم علاقے ہم سے یہ بہانہ کر کے لے لئے کہ فوج کو تنخواہیں دینی ہیں۔ ہمارے ساتھ جو عہد نامہ کیا اس کی دفعہ 7 میں قسم کھائی گئی تھی ہم آپ سے اور زیادہ کچھ نہ لیں گے۔ اس لئے جو انتظام کمپنی نے کر رکھے ہیں، وہ اگر قائم رکھے جائیں گے تو اس سے پہلے کی حالت میں اور اب نئی حالت میں کتنا فرق ہوا؟

دو ہندوستان

اس کے بعد سے ہندوستان دو حصوں میں بٹ گیا، ایک برطانوی ہندوستان، اور دوسرا ریاستوں کا ہندوستان کہ جس میں چھوٹی بڑی ریاستیں ملا کر تقریباً 600 تھیں۔ یہ ریاستیں اپنے اندرونی معاملات میں آزاد تھیں، مگر دفاع اور غیر ملکی تعلقات میں ان کا کوئی دخل نہیں تھا۔ جانشینی کے اصول مقرر کئے گئے تھے۔ انگریز ریذیڈنٹ کا اس انتخاب میں عمل دخل ہوتا تھا۔ ریاستوں کے والیان کا حکومت میں درجہ مقرر کیا گیا تھا۔ بڑی ریاست کے والی کو دربار میں آنے پر 12 یا

اس سے زیادہ توپوں کی سلامی دی جاتی تھی، جب کہ چھوٹی ریاستوں کے والیان 2 یا 3 توپوں کی سلامی کے مستحق ہوتے تھے۔ اسی طرح ان کے مرتبہ کے مطابق دربار میں ان کی نشست مقرر ہوتی تھی۔ حکومت کی اس پالیسی کی وجہ سے یہ والیان ریاست آخر وقت تک حکومت برطانیہ کے وفادار رہے۔

حکومت کا نیا انتظامی ڈھانچہ

1857 کے ہنگامہ سے جو سبق انگریزوں نے سیکھا وہ یہ تھا کہ ہندوستان میں سماجی اور مذہبی اصلاحات نہ کی جائیں اور ان کی جو رسومات اور رسم و رواج ہیں، انہیں اسی طرح سے رہنے دیا جائے۔ ہندوستان کے لوگوں کے مذہبی جذبات کا احساس کرتے ہوئے یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ حکومت عیسائی مشنریوں کی سرپرستی نہیں کرے گی، اور اس کے بجائے انتظامی اصلاحات پر توجہ دے گی۔

ہندوستان کی حکومت کے لئے جو نیا انتظامی ڈھانچہ تشکیل دیا گیا، اس میں لندن میں وزیر ہند ہوتا تھا جو برطانوی کابینہ کا ممبر تھا، اور پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوا کرتا تھا۔ اس کو مشورہ دینے کے لئے انڈین کونسل تھی۔ ہندوستان میں گورنر جنرل، وائسرائے بھی ہوگیا، جو وزیر ہند کے مشوروں پر عمل کرتا تھا۔ 1858 میں وائسرائے کے مشورے کے لئے پہلے ایگزیکٹیو کونسل بنائی گئی، پھر 1861 میں یہ لیجسلیٹیو کونسل ہوگئی۔

1858 میں فوج کی تشکیل نو کی گئی تاکہ دوبارہ سے بغاوت کے امکانات کو ختم کیا جاسکے، اس مقصد کے لئے یورپیوں کی تعداد کو بڑھا دیا گیا۔ 1914 تک کوئی بھی ہندوستانی صوبیدار سے اوپر کے عہدے تک نہیں پہنچا۔ انتظامیہ کے لئے سول سروس کی نئی بنیاد رکھی گئی۔ مقابلہ کا امتحان لندن میں ہوا کرتا تھا، کوشش یہ تھی کہ اس مقابلہ میں ہندوستانی شریک نہ ہوں، ہندوستانیوں کے لئے مقابلہ کرنا اس لئے مشکل تھا کیونکہ ایک تو انہیں انگریزی زبان پر عبور ہو، دوسرے وہ کلاسیکل یونانی اور لاطینی زبانیں جانتے ہوں، 1859 تک 23 سال کے لوگ یہ امتحان دے سکتے تھے لیکن جب ان پابندیوں کے باوجود 1863، رابندر ناتھ ٹیگور کے بھائی ستندر ناتھ ٹیگور نے یہ امتحان پاس کرلیا، تو حکومت نے عمر کم کر کے 19 سال کردی۔

وفاداری کی نئی بنیادیں

حکومت کو اب اس کی بھی ضرورت تھی کہ ایسی جماعتیں اور گروہ تیار کئے جائیں کہ جو حکومت کے وفادار ہوں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے جاگیرداروں کے طبقے کی سرپرستی کی تاکہ ان کے ذریعہ سے عام لوگوں پر تسلط قائم کیا جائے۔

اس چیز کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ یہ طبقہ وفادار اور طاقت ور رہے، ان کی جاگیریں اور جائیدادیں محفوظ رہیں انہوں نے وراثت کا قانون بنایا تا کہ جائیداد تقسیم نہ ہو، نابالغ جاگیردار کی صورت میں کورٹ آف وارڈ کے ذریعہ جاگیر کا انتظام اور دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ پنجاب میں ایک قانون کے ذریعہ شہری تاجروں پر پابندی لگا دی کہ وہ زمین نہیں خرید سکتے ہیں۔ ان کو خطابات دیئے تا کہ سماج میں ان کی عزت ہو۔ چونکہ حکومت کی نظروں میں یہ وفادار تھے اس لئے لوگ اپنے کاموں کے لئے ان سے سفارش کراتے تھے۔

لوگوں میں ملکہ یا بادشاہ کی وفاداری کے جذبات پیدا کرنے کے لئے حکومت نے کئی طریقوں کو استعمال کیا۔ 1887 میں ملکہ وکٹوریہ کی گولڈن جوبلی کے موقع پر جشن کا اہتمام ہوا۔ 1889 میں اس کی ڈائمنڈ جوبلی کے موقع پر شاندار طریقے سے اجلاس کئے گئے۔ اس بات پر زور دیا گیا کہ مغل بادشاہ کے بعد انگلستان کی ملکہ نے اس کی جگہ لے کر وہ خلاء پورا کر دیا ہے۔ اس کے بعد "دربار" منعقد کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، تا کہ لوگ دربار کی شان و شوکت دیکھ کر مرعوب ہوں۔ دربار نچلی سطح سے لے کر اونچی سطح تک کے عہدے دار منعقد کرتے تھے، مگر وائسرائے کا دربار بہت شاندار ہوتا تھا اس میں تمام والیانِ ریاست، جاگیردار، زمیندار، اور خاص خاص لوگ آتے تھے اور اپنی وفاداری کا اعلان کرتے تھے۔ 1903 میں دہلی کا مشہور دربار ہوا، جس میں تمام نوابین و راجاؤں نے شرکت کی، چونکہ یہ دربار لارڈ کرزن وائسرائے نے منعقد کرایا تھا، اکبرالہ آبادی نے اس پر یہ نظم کہی:

دہلی دربار

سبھا میں دوستو کرزن کی آمد آمد ہے	گلو میں غیرت گلشن کی آمد آمد ہے
رئیس و راجہ و نواب منتظر ہیں بہ شوق	کہ نائب شہر لندن کی آمد آمد ہے
تمام مذہب و ملت میں ہے کشش پیدا	مغان و شیخ و برہمن کی آمد آمد ہے

(اکبرالہ آبادی)

دوسرا دربار 1911 میں دہلی میں ہوا، جہاں یہ اعلان کر دیا گیا کہ حکومت اپنا دارالحکومت کلکتہ سے دہلی منتقل کر دے گی۔ اس کا مطلب تھا کہ کمپنی اب خود کو مغلوں کا وارث بنانے کے لئے لوگوں کو تیار کر رہی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد نئی دہلی شہر کی تعمیر ہوئی۔

نئی تبدیلیاں: مردم شماری

حکومت نے انتظام کو بہتر بنانے کے لئے بہت سی نئی تبدیلیاں کیں۔ ان میں سے ایک مردم شماری کا طریقہ تھا۔ چونکہ اس کے ذریعہ آبادی کے بڑھنے، اور لوگوں کی زندگی کے بارے میں پتہ چل سکتا تھا۔ 1801 میں یہ انگلستان میں ہوئی تھی۔ ہندوستان میں ملک گیر مردم شماری 1881 میں ہوئی، اور یہ دستور بنایا گیا کہ ہر دس سال بعد اس کو کرایا جائے گا۔ اس میں لوگوں کے مذہب، برادری، قبیلہ، ذات، پیشہ اور زبان کے بارے میں معلومات اکٹھی کی گئیں۔ ان معلومات کی بنیاد پر حکومت نے ہندوستان کے سماج کو کئی طبقوں میں تقسیم کر دیا: زمیندار اور جاگیردار اعلیٰ طبقہ میں، جب کہ وکیل، ڈاکٹر، استاد، انجینئر اور حکومت کے ملازمین متوسط طبقہ میں، کاریگر، کسان، اور مزدور نچلے طبقے میں شامل ہوئے۔ نچلی ذات کے لوگوں کو شیڈول کاسٹ کا نام دیا گیا۔

مردم شماری سے اس بات کا اندازہ ہوا کہ پچھلے سالوں کے مقابلہ میں آبادی میں کس قدر اضافہ ہوا، لوگ دیہاتوں سے شہروں میں کیوں آئے؟ اور متوسط طبقے کے لوگ ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں کس تعداد میں گئے، یہ ملازمت کی تلاش میں گئے یا تجارت کے سلسلہ یا نوکری کے تبادلہ کی وجہ سے۔

آبادی کو ادھر سے ادھر لے جانے میں ریلوے کا اہم کردار رہا، جس نے بڑے بڑے شہروں کو آپس میں ملا دیا تھا۔

میونسپلٹی

اب حکومت نے یورپ کے شہروں کی طرح ہندوستان کے شہروں میں بھی 1858 میں میونسپلٹی کے نظام کو جاری کیا، جس کا کام خاص طور سے شہر میں صفائی رکھنا، صحت کے مراکز قائم کرنا، اسکول، کالج اور ہسپتالوں کی دیکھ بھال تھی۔ شہروں میں ایک اہم اضافہ گھنٹہ گھر تھا جو شہر کے مرکز میں ہوتا تھا، اس کا مقصد تھا کہ لوگوں میں وقت کا احساس پیدا ہو۔ نئی عمارتوں میں ریلوے اسٹیشن کی عمارت بڑی شاندار ہوتی تھی۔ اب تک شہر کی اہم عمارتیں قلعہ اور مذہبی عمارت ہوتی تھی، لیکن اب شہروں کا ڈھانچہ سیکولر ہو گیا۔ بڑی بڑی عمارتیں تجارتی ہوتی تھیں، جن میں بنک، اور کمپنیوں کے آفس ہوا کرتے تھے۔ ابتداء میں پولیس بھی میونسپلٹی کی نگرانی میں کام کرتی تھی۔ پولیس کا نظام ہندوستان میں 1861 میں شروع کیا گیا تھا۔

دوسری اصلاحات میں بڑے شہروں میں نلوں کے ذریعہ پانی کی سپلائی کا انتظام کیا گیا۔ رات کو سڑکوں پر روشنی کے لئے گیس یا مٹی کے تیل کے لیمپ جلائے جانے لگے۔ ان انتظامات نے لوگوں کو جو سہولتیں دیں، اس کی وجہ سے ان میں حکومت سے وفاداری کا جذبہ پیدا ہوا۔

تعلیم

حکومت نے خاص طور سے تعلیم کی طرف توجہ دی، کیونکہ اس کے ذریعہ وہ نوجوان طالب علموں کے ذہنوں کو متاثر کر سکتے تھے۔ انہیں حکومت کے کاروبار کے لئے بھی تعلیم یافتہ چاہئے تھے۔ اس لئے ہر ضلع میں پرائمری اور سکنڈری اسکول کھولے گئے کہ جن میں انگریزی اور مقامی زبانوں میں تعلیم دی جاتی تھی۔ یہاں جو نصاب پڑھایا جاتا تھا وہ حکومت سے منظور شدہ ہوتا تھا۔ کتاب کے آخر میں ''حکومت انگلشیہ کی برکتوں'' کا ایک سبق ہوتا تھا۔

کالجوں میں بی۔ اے تک کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مدراس، بمبئی، اور کلکتہ میں یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ اس کے بعد نجی کالج بھی قائم کئے گئے، جن میں علی گڑھ میں سرسید کا قائم کیا گیا کالج مسلمانوں میں مشہور ہوا، بعد میں یہ یونیورسٹی بن گیا۔

تعلیم کی وجہ سے ہندوستان میں جدید تعلیم یافتہ طبقہ پیدا ہوا، نئے خیالات و افکار کی وجہ سے اس طبقہ میں قومی شناخت کا احساس پیدا ہوا اور انہوں نے سیاست میں حصہ لے کر آزادی کی تحریک شروع کی۔ جس کے نتیجہ میں ہندوستان کے عوام نے اس جدوجہد میں ان کا ساتھ دیا اور بالآخر 1947 میں انگریزوں کو یہ ملک چھوڑ کر جانا پڑا۔

ہندوستان پر 1757 سے 1947 تک انگریزوں کی حکومت رہی۔ اس عرصہ میں انہوں نے موریہ اور مغلوں کے بعد ہندوستان میں تیسری بڑی امپائر قائم کی اور ہندوستان کو متحد کر کے یہاں پر سیاسی، معاشی اور قانونی نظام مستحکم کیا۔ انگریزی زبان نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں باہمی رابطہ پیدا کر کے انہیں آپس میں ملایا۔ جب انگریز گئے تو ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور اپنے پیچھے وہ مغربی تہذیب اور کلچر کو چھوڑ گئے جو آج بھی ہمارے درمیان موجود ہے۔

اشاریہ